ماہانہ تحقیقی مجلہ

الاسلام ریئل

جلد نمبر 1: شمارہ نمبر 2: ستمبر 2020ء

ملحدین کے اعتراضات کا جائزہ

سامی مذاہب میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش

حضرت ابراہیمؑ کے دو عہد

مرزا غلام احمد قادیانی کی عمر کا تحقیقی جائزہ

ماہانہ آنلائن

الاسلام ریئل

تحقیقی مجلہ

جلد نمبر 1: شمارہ نمبر 2: ستمبر 2020ء

مضامین ارسال کرنے اور مجلہ کے حصول کے لیے رابطہ فرمائیں۔

Magazine@AlislamReal.Org

03004907617-03450580470

شائع کردہ:

AlislamReal.org

فہرست

بعض مرتبہ قلمکار کے قلم کی حرکت رک سی جاتی ہے کہ جیسے کسی نے نوک قلم توڑ ڈالی ہو یا روشنائی خشک ہو چکی ہو۔ حالانکہ ہوتا محض اتنا ہے کہ وہ کسی اور بات کا غصہ قلم پر نکال رہا ہوتا ہے۔ بدلے میں قلم کی حرکت سے برکت اٹھتی چلی جاتی ہے۔ پھر ہوتا یوں ہے کہ قلمکار سے بندہ بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ دماغ زنگ آلود ہو جاتا ہے اور فضولیات میں مست ہونے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسان ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس سب صورتحال سے بچنے کے لیے ایک قلم دوست کو چاہیے کہ ایک بہترین کتاب دوست بن جائے۔ کیونکہ قلمکاری تب ہی ممکن ہے جب ہمارے پاس مواد ہو۔ دس جملے لکھنے کے لیے ہمیں کم از کم دو سو اچھے جملوں کا مطالعہ فرض سمجھ کر کرنا پڑے گا تب جا کر کہیں ہم قلم چلانے کے قابل ہونگے۔ وہ لوگ جو نو آموز قلمکار ہیں، انہیں دل سے مشورہ ہے کہ کتاب دوستی شروع کر دیں۔ مطالعہ کے ساتھ اچھے اساتذہ کی نگرانی میں لکھنا بھی سیکھیں۔

ہر اس شخص سے مشورہ نہ مانگیں کہ جو دو چار الفاظ لکھنا جانتا ہو، بلکہ مشورہ صرف اس سے کریں جو آپ کے ساتھ واقعی مخلص ہے۔ مخلص لوگ بہت مشکل ملتے ہیں مگر مل جائیں تو زندگی حسین راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔ میں پچھلے کئی سال سے مخلصین کے چکر میں چکر پر چکر کھاتا رہا ہوں۔ اب الحمدللہ واقعی چند مخلص لوگ سوشل میڈیا اور حقیقی زندگی میں ملے ہیں کہ جن سے میں بہت کچھ سیکھتا ہوں۔

تہیہ کر لیں کہ آپ ایک قلمکار ہیں اور قلم کی حرکت کو روکنا نہیں۔ ذہن میں بٹھا لیں کہ آپ ایک اچھے قلمکار ہیں، جب خود کی بات خود اچھی محسوس ہو تو تبھی آپ دوسروں تک پہنچا سکیں گے۔ مطالعہ کیجیے کہ یہ روح ہے، روح نہ ہو گی تو قلم ایک مردہ جسم کی صورت اختیار کر جائے گا۔

معاون ایڈیٹر

حسن معاویہ امین چنیوٹی

اعتراض:

"فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ (94)

"سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی ہے سو شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو۔"

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ 2

"یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔"

ازالہ:

ان دو آیات کو پیش کر کے معترض نے اعتراض اٹھایا ہے کہ ان میں بھی تضاد ہے۔ کہ ایک طرف کہا گیا اس میں شک نہیں اور دوسری طرف سورت یونس کی آیت نمبر 94 میں کہا کہ اس چیز میں شک ہے۔

علمی خیانت اور علمی بد دیانتی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ آدمی کو بغض اور حسد میں اس قدر بھی اندھا نہیں ہو جانا چاہیے کہ اسے سامنے کی پڑی چیز بھی نظر نہ آئے۔ آئیں اب اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیں کہ معترض کا اعتراض بنتا بھی ہے یا نہیں۔

---

[1] حافظ ابن جنید: متعلم درس نظامی
علامہ شعیب کراچی: فاضل علوم اسلامیہ
محمد شعیب احمد: علوم اسلامیہ سکالر
محمد شاہجہان اقبال: ایم فل علوم اسلامیہ

پہلی آیت میں اللہ فرماتا ہے۔"لاریب فیہ: اس میں کوئی شک شبہ نہیں"

اب اللہ فرماتا ہے کہ اس کتاب یعنی قران کا وحی الہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ معترض کوئی ایسی آیت ڈھونڈ لاتے جس میں واضح الفاظ میں ہوتا کہ "اس میں شک ہے۔" مگر وہ آیت دیکھے تضاد ثابت کرنے کے لیے کونسی لایا۔

سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی ہے سو شک کرنے والوں میں ہر گز نہ ہو۔

اب کوئی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر نہ پڑا ہو تو اسے سمجھایا جاسکتا ہے کہ اس میں تضاد نہیں بلکہ موافقت اور تائید پیدا ہو رہی ہے۔ کیسے آئیں دیکھتے ہیں۔

اگر اس میں شک ہے (کس میں شک ہے) جو تیری طرف نازل کی تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اب اس ٹکڑے کو ذرا غور سے دیکھیے گا۔ کہ آیت حرف شرط "اِنۡ۔ اگر" سے شروع ہو رہی ہے۔ اچھا جی شرط سے شروع ہو رہی ہے تو کیا؟ بھئی شرط سے شروع ہوئی ہے کہ اگر اس میں شک ہے تو پھر ان سے پوچھ جو پہلے کتاب دیئے گئے۔ اب یہاں کتاب میں شک کی بات کہاں سے آگئی یہاں تو انسانی ذہن میں تشکیک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب میں ہونا تھوڑی ہے۔ آئیں ایک اور آیت دیکھتے ہیں جو اس سارے مقدمے کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دے گی کہ اس کتاب کے وحی ہونے میں اگر شک ہے تو پھر یہ چیلنج بھی قبول کیا جائے۔

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ[1]"

''اور جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔''

ایک اور جگہ اسی چیلنج کو نتیجے کے طور پہ یوں پیش کیا گیا ہے:

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ[2]۔"

---

[1] البقرہ: ۲۳

[2] البقرہ: ۲۴

ترجمہ: "پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی ہے کافروں کے لیے۔"

اس چیلنج کو ہم عجمی تو کیا چودہ سو سال میں افصح عرب ادباء، شعراء اور بڑے بڑے لسان العصر بھی قبول نہ کر سکے۔ آج کل کے زعمِ باطل رکھنے والے جو فصاحت و بلاغت تو کجا اردو سے درست آشنائی نہیں رکھتے وہ کیا اعتراض کر سکیں گے۔

"کیا پدی کیا پدی کا شوربا"

مذکورہ بالا آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا۔

اور سورت بقرہ کی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں ہے" اس کا جواب یہ کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے، اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے 'خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے اباء واجداد کی اندھی تقلید ہے' انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "فیہ" "ریب" کی صفت ہے اور "للمتقین" اس کی خبر ہے اور معنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے[1]۔

اب تضاد تو تب تھا کہ کتاب کے وحی نہ ہونے میں شک کے سامنے کتاب کے وحی ہونے میں شک ہوتا مگر آیت تو واضح بیان کر رہی ہے کہ یہاں انسانی ذہن میں مشروط شک کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ بھی ایک طریقے سے ایک تصدیق سے کافور ہو جاتا ہے کہ "ان سے پوچھ لو جو کتاب پڑھتے ہیں، اور ساتھ ہی آیت کے اگلے ٹکڑے میں اس پہلی آیت کی تصدیق ہو گئی جو معترض اپنی کم علمی کی وجہ سے تضاد کے طور پہ لایا تھا

[1] البقرہ:۲

وہ بھی ذرا دیکھ لیں سورت بقرہ کی آیت میں ہے "لاریب فیہ"

اور سورت یونس اگلا ہی جو ٹکڑا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں:

"لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ"[1]

"بے شک تیرے رب کی طرف سے حق بات آئی ہے۔"

اب بتائیں یہ تو اوپر والی آیت کی تصدیق ہو گئی کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اس میں شک نہیں ہے۔

اب آیت کا آخری ٹکڑا بھی دیکھ لیجیے جو ساری آیت کا نچوڑ اور نتیجہ ہے کیا ہے وہ نچوڑ:
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ"
"سو شک کرنے والوں میں ہر گز نہ ہو۔"

ایک بار پھر پڑھ لیں کہ "ف" پس نتیجے کے طور پہ "لا" نفی کے معنی میں آتا ہے کو نن ہونا ممترین شک کرنے والوں میں۔

مگر کیا کیجیے معترض تو اب بھی شک میں ہے اس کے دماغ کا شک اسے کتابِ ہدایت میں نظر آ رہا ہے وہ اپنی تمام کوششیں کتاب میں خلل ڈھونڈنے میں لگا رہا ہے اپنے دماغ کے علاج کے لیے تیار نہیں ہے۔ غالب کا ایک مصرعہ تھوڑا تحریف کر کے پیش کرتا ہوں جیسا کہ معترض کو عادت ہے تحریفات کی مگر یہ تحریف عین نشانے پہ لگے گی۔
کہتے ہیں جسے بغض خلل ہے دماغ کا۔

جنابِ من آپ تو ابھی اردو سے پورے واقف نہیں عربی تو کجا کاش جناب جملہ شرطیہ کی تفصیل کسی اچھی اردو گرائمر سے پڑھ لیتے تو آپ کبھی اس طرح کے اعتراض کی جراءت نہ کرتے۔ بلکہ میں تو یہ بھی تجویز کروں گا کہ آپ کسی اردو کے استاد سے اچھی طرح اردو پڑھ لیں مسلمانوں سے خوف ہو تو کسی اور سے پڑھ لیں تاکہ تضاداتِ معنوی و لفظی کی پہچان کر پائیں۔

دوسرا اقتباس کو سیاق و سباق سے توڑ کر تو جانے کچھ کا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ مگر علمی حلقوں میں اسے خیانت اور بد دیانتی کے نام سے گردانہ جاتا ہے۔

تیسرا مجمل بیان سے نتیجہ نکالے بغیر تفصیل کو دیکھے۔

---

[1] سورہ یونس آیت ۹۴

جملہ شرطیہ کے دو اجزاء ہوتے ہیں

1۔شرط۔ 2۔جزاء

اب سورت یونس کی آیت نمبر 94 میں شرط یہ ہے کہ "اگر شک ہو" یہ نہیں فرمایا کہ "ہاں شک ہے(نعوذ باللہ) پھر اس کا دوسرا جز ساتھ ملائیں تو پوری بات یوں بنتی ہے:

"سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی۔"

اس طرح اس کا دوسرا جز جو جزء کے طور پہ ہے کہ تو پھر جو پہلے کتابیں پڑھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ بھی (تورات، انجیل، زبور) رب کی طرف سے ہیں اور قران بھی حق اور سچ ہے اللہ ہی کی طرف سے۔

پتا نہیں کیوں معترض کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی یا وہ سمجھنا نہیں چاہتا۔

نوٹ:-سورت یونس کے متعلق مفسرین کے اقوال۔میں سے راجح قول:

کما قال الالوسیؒ:

قیل الخطاب له (صلی الله علیه وآله وسلم) والمراد به امته او لکل من یسمع ای ان کنت ایها السامع فی شك مما انزلنا علی لسان نبینا الیك فاسال[1]۔الخ

"یعنی اگر خطاب حضور ﷺ ایک طرف ہے مگر اس سے مراد امت مرحومہ ہے یا ہر وہ شخص جو اس آیہ کریمہ کو سنے تو اس کے معنی یہ ہوئے اگ تو اے سننے والے شک میں ہے اس پر جو ہم نے نازل فرمایا زبان محمد مصطفیٰ پر تو پوچھ دیکھ ان سے جو اہل کتاب میں تجھ سے پہلے (مثل ابن سلام، تمیم داری، کعب احبار وغیرہ کے)

آگے ارشاد ہے:

"لقد جاءك الحق من ربك۔

---

1 تفسیر روح المعانی: علامہ محمود الالوسی رح: تفسیر سورۃ یونس آیت ۹۴

"بیشک تیرے پاس آیا حق تیرے رب کی طرف سے تو نہ ہو تو ہر گز شک کرنے والوں سے اور ان سے نہ ہو جنہوں نے جھٹلائیں اللہ کی آیتیں تو ہو گا تو نقصان والوں سے بیشک وہ جن پر حق ہو گئی تیرے رب کی بات ایمان نہ ائیں گے اگرچہ آئیں ان کے پاس تمام نشانیاں جب تک نہ دیکھیں وہ دردناک عذاب۔"

(تصریح): شک اسے کہتے ہیں جس میں انسان کسی چیز کے ہونے اور نہ ہونے میں برابر یقین کرے۔ خواہ وہ ایسی صورت میں ہوں کہ دونوں جانب کے قرینے برابر ہوں خواہ ایسے کہ دونوں طرف قرینہ ہی نہ ہو۔ چنانچہ محققین نے شک کو بھی جہل سے بتایا ہے اس میں یعنی جہل وشک میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے تو واضح وا کہ ہر شک جہل ہے اور ہر جہل شک نہیں۔

اسی لئے لقد جاءك الحق میں ایک طرف فرمایا کہ براہین لائحہ اور آیات واضحہ سے اتنا روشن ہو چکا ہے کہ اس میں مومن کو مجال شک نہیں مگر جن کے لئے لوح محفوظ میں کفر ثابت ہے ان کی خبر ملائکہ (علیہم السلام) نے دے دی کہ وہ کافر ہی مریں گے اور ضغطہ موت کے وقت اگر وہ ایمان لائے بھی تو ان کا ایمان مثل فرعون ان کے لئے نافع نہیں ہو سکتا۔ کما قال الزمخشری فی روح المعانی۔

اب ہم ریب اور الشک میں فرق سمجھتے ہیں:

قرآن مجید کا ہر لفظ معجزہ ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ میں معانی ومفاھیم کے سمندر موجود ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ بعض الفاظ کی فصاحت وبلاغت واضح اور عام فہم ہے اور بعض کی مخفی اور مشکل الادراک ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مفسرین نے عموما جملوں کی فصاحت پر گفتگو کی ہے ۔ مفردات کے اعجاز پر گفتگو نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ صرف میرا خیال نہیں ہے بلکہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے یتیمۃ البیان میں بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ میں ایک عرصہ دراز تک دشت کتب کی خاک چھاننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر بلاغت کے اسرار ورموز جاننے ہیں تو اس کے لئے کسی ایک آدھ تفسیر یا لغت کی کتاب کا مطالعہ کافی نہ ہو گا۔ لہذا اب میں جو آپ کے سامنے رکھتا ہوں بظاہر یہ ایک دو لفظوں کے گرد ہونے والی گفتگو ہے لیکن درحقیقت ان کے پیچھے سینکڑوں بلکہ ھزاروں صفحات پر مشتمل تلاش وجستجو ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں قرآن مجید کے شک وشبہ سے پاک ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں لَا رَيْبَ فيه اب یہاں لفظ "ریب" استعمال کیا ہے یہاں یہ بھی کہا جا سکتا تھا لا شك فيه یا لا شبهة فيه تو ریب کا لفظ کیوں استعمال کیا؟

تو شبھۃ تو کہتے ہیں کے دو چیزیں رنگ وروپ یا وصف میں ایک جیسی ہوں جس کی وجہ سے پہچان دشوار ہو اور معاملہ خلط ملط ہونے لگے تو اس کے لئے شبھۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اب یہاں معاملہ التباس یا خلط ملط کا نہ تھا بلکہ کفار کو قرآن کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے میں شک تھا اس لیے شبھۃ کے لفظ کا تو یہ محل ہی نہ تھا۔

البتہ شک کا لفظ یہاں استعمال کیا جاسکتا تھا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیگر مقامات پر قرآن مجید میں شک وشبہ کا مفہوم بتانے کے لئے شک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے وانھم لفی شك منه مریب یا وان کنت فی شك مما انزلنا وغیرہ آیات ہیں۔ تو یہاں ریب کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا اور وہاں شک کا لفظ کیوں استعمال ہوا۔ اس کو سمجھنے کے لئے شک اور ریب کی حقیقت اور ان میں فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

شک کہتے ہیں کہ جن دو چیزوں میں شک ہے وہ دونوں جانبیں شک کرنے والے کے نزدیک بالکل برابر ہوں اور وہ ان دونوں میں سے کسی بھی ایک جانب کو اختیار کرنے اور ترجیح دینے کے قابل نہ ہو۔ اگر اس کا خیال کسی ایک جانب راجح ہو جائے تو پھر وہ شک نہیں رہتا بلکہ جس جانب خیال راجح ہو گیا اسے ظن اور دوسری جانب کو وھم کہتے ہیں۔

اھل لغت کے نزدیک شک کے لفظ کا اصل معنی تداخل یعنی ایک دوسرے میں داخل ہونا ہے۔ عرب کہتے ہیں شککته بالرمح یعنی میں نے نیزہ اس کے جسم میں داخل کر دیا۔ اب یہاں بھی شک کرنے والا گویا کہ ایسے مقام میں داخل کر دیا گیا جہاں اس کو دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت ہے۔ اور کونسی جانب کو اختیار کرے اور کس کو چھوڑے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا لہذا اسے بھی شک کہا جانے لگا۔

ریب کا لفظ ریب المنون سے نکلا ہے۔ المنون زمانے کو کہتے ہیں اور ریب سے مراد حادثات ومصائب تو زمانے کے حوادث کو بنیادی طور پر ریب کہتے تھے پھر چونکہ ان حادثات ومصائب سے طبیعت میں قلق واضطراب اور شک پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات مسبب کا نام سبب پر رکھ دیتے ہیں تو شک واضطراب کو ریب کہا جانے لگا۔

پھر ریب کے بارے میں بعض حضرات کا خیال تھا کہ اس میں اور شک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جب کہ محققین جیسے علامہ علامہ رازیؒ، علامہ زبیدیؒ، ابوحیانؒ، العسکریؒ، ابن القیمؒ وغیرہ نے مثالوں سے ثابت کیا کہ ان میں فرق ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ریب کا مرتبہ شک سے کم ہے۔ وھم اور التباس کو ریب کہتے ہیں۔ اس صورت میں تو بات واضح ہے کہ جب ادنی کی نفی کر دی جائے تو اعلی کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ گویا آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک تو کیا وھم کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ریب" کا معنی:

علامہ زبیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" ریب" کا معنی حاجت ہے' حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے کچھ یہودی گزرے' بعض نے کہا: ان سے سوال کرو' اور بعض نے کہا: "ما رابکم الیه" تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور ریب کا معنی شک اور تہمت بھی ہے' ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو' حدیث میں ہے: جس چیز میں ریب ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں ریب نہ ہو' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی: "علیك بالرائب من الامور" جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کرلو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا "یریبنی ما یریبها" جو چیز (حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بے قرار کرتی ہے' وہ مجھے بے قرار کرتی ہے اور " تہذیب " میں ہے: شک مع تہمت کو " ریب " کہتے ہیں۔[1]

قرآن مجید میں " ریب " کی نفی اور اثبات کا محمل:

شک کی حقیقت ہے: کسی چیز کا دل میں کھٹکنا اور دل کا مضطرب ہونا، شک کی ضد طمانیت ہے' آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں' اس کی ہدایت اور ارشاد میں' فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس کے معجز اور بے مثال ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله"[2]

(ترجمہ): "اور جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے' اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔"

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا، اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے' اس کا جواب یہ کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت وبلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے، اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا'

---

[1] تاج العروس ج ۱ ص ۲۸۳۔۲۸۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ

[2] البقرہ: ۲۳

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے' خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے اباء واجداد کی اندھی تقلید ہے' انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ " **فیه** " " **ریب** " کی صفت ہے اور " **للمتقین** " اس کی خبر ہے اور معنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے۔[1]

ابو حیانؒ لکھتے ہیں: ریب اس شک کو کہتے ہیں جو تھمت کے ساتھ ہو۔ یعنی اس میں مخاطب پر شک کیساتھ ساتھ کوئی الزام اور تہمت لگائی جا رہی ہو۔

اسی طرح علامہ رازیؒ لکھتے ہیں: "اصل میں ریب اس شک کو کہتے ہیں جس کی بنیاد بد گمانی پر ہو۔"

اسی وجہ سے اگر کسی کو سورج کے نکلنے میں یا بارش کے ہونے نہ ہونے میں شک ہو تو اسے مرتاب نہیں کہتے کہ وہاں بد گمانی اور تہمت نہیں پائی جا رہی۔

اب غور کیجیے کہ کفار کو قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے میں صرف شک نہ تھا بلکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بات کی تہمت لگاتے تھے کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سے گھڑ لیا ہے۔ جسے قرآن مجید نے بل افتراہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس شک و تہمت کی نفی فرماتے ہوئے لاریب کا لفظ استعمال فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ان شکوک واتہامات کا محل نہیں ہے۔

ابن قیم نے **بدائع الفوائد** میں ریب اور شک میں چھ وجوہ سے فرق ذکر کیا ہے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ریب اصل میں اس قلق، بے چینی اور اضطراب کو کہتے ہیں جو اطمینان قلب کی ضد ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ حالت احرام میں ایک ھرن کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے فرمایا مایریبہ احد کوئی بھی اسے بے چین اور مضطرب نہ کرے اب یہاں مایشکہ احد کوئی اسے شک میں نہ ڈالے کہنا درست نہ ہوتا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے **رابنی مجئیه وذهابه** اس کے آنے جانے نے مجھے مضطرب کر دیا۔ اب یہاں **شککنی** کہنا درست نہیں ہے۔

---

[1] البقرہ:۲

وہ مزید لکھتے ہیں کہ شک کی ابتداء بے چینی سے ہوتی ہے لہذا ریب شک کے لئے مبداء (جس سے ابتداء ہو) کی حیثیت رکھتا ہے جیسے علم یقین کے لئے مبداء کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر چونکہ تہمت لگانے والے کے دل میں بے چینی کی کیفیت غالب ہوتی ہے اس لئے اس شک کو جس کے ساتھ بدگمانی اور واضطراب پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کے وہ تہمت لگانے کے درجے کو پہنچ جائیں گے
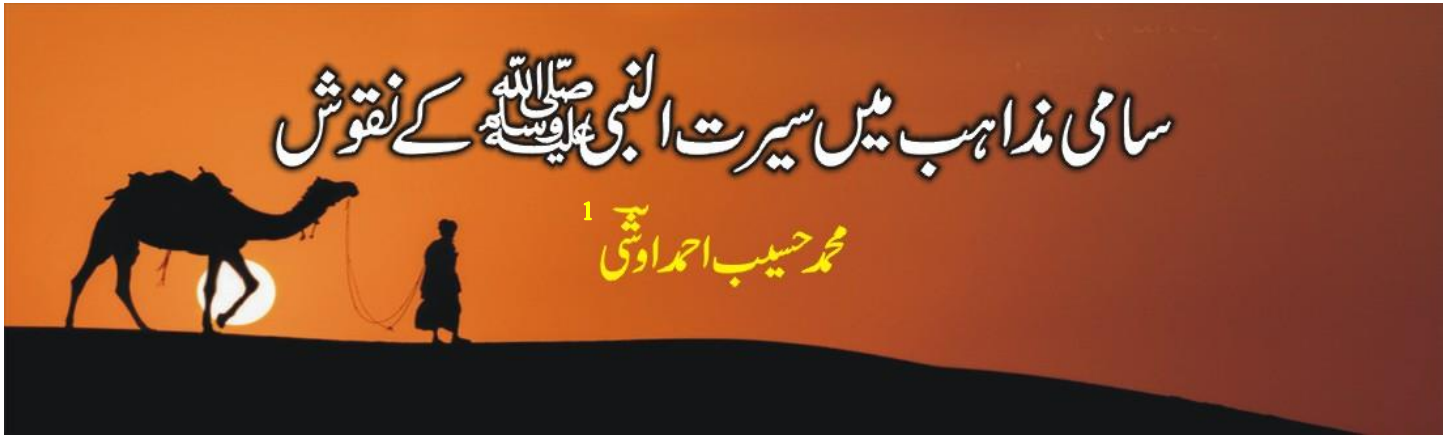
مذہب کا لفظی معنیٰ "باندھنا، راستہ، طریقہ"[2] ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے "Religion" استعمال ہوتا ہے جس کا مادہ لاطینی لفظ "Religio" سے ماخوذ ہے۔[3]لفظی حوالے سے بات کریں تو مذہب اتحاد اور ہم آہنگی کا قاعدہ ہے کوئی بھی اصول جو ہمیں بحیثیت مجموعی باہم باندھتا ہے، وہ مذہب ہے۔ صاحب "تاج العروس" علامہ مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب کے معنیٰ کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ اس کی لغوی معنیٰ کے پیش نظر لفظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"من الْمجَاز: المَذْهَبُ: (المُعْتَقَدِ الَّذِي يُذهَب إِلَيْه) وذَهَبَ فلانٌ لِذَهَبِه أَي لِمَذْهَبِه الَّذِي يَذْهَب فِيهِ. (و) المَذْهَب (: الطَّرِيقَةُ) يُقَال: ذَهَبَ فلانٌ مَذْهَباً حَسَناً، أَي طَرِيقَة حَسَنَةً. (و) المَذْهَبُ (الأَصْلُ)"[4]

"مجازی طور پر مذہب سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی طرف کوئی جاتا ہے مثال کے طور پر فلاں اپنی جگہ کی طرف گیا یعنی اپنے مقام کی طرف جس طرف اسے جانا تھا، اور مذہب سے مراد راستہ ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اچھا مذہب اختیار کیا یعنی اس نے اچھا راستہ اختیار کیا اور مذہب کا معنیٰ اصل یا بنیاد بھی ہے۔"

یعنی یوں کہنا درست ہے کہ مذہب کسی راستے اور طریقے کو کہا جاتا ہے ایسا راستہ و طریقہ جسے انسان اپنے نفع کے لیے اختیار کرتا ہے اور اس کی پیروی میں لگ جاتا ہے۔ اس کی جمع "مذاہب" ہے۔

---

[1] محمد حسیب احمد اوشی: فاضل علوم اسلامیہ

[2] وارث سرہندی، علمی اُردو لغت، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۳۶۵

[3] Online Etymology Dictionary, Religion, Retrived at July 31, 2019,

[4] زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایۃ، بیروت، س ن، ج ۲، ص ۴۵۰

مذہب محض عقیدہ ہی نہیں بلکہ طرزِ عمل بھی ہے، صرف یقین کلی ہی نہیں بلکہ شعار بھی ہے، صرف ایمان ہی نہیں بلکہ ارکان کی ادائیگی بھی ہے، مذہب کے معنیٰ میں کہا جا سکتا ہے کہ مذہب میں ساری انسانی شخصیت ملوث ہے۔ تاہم مذہب کا مفہوم یہ ہے کہ مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو اس کے ماننے والوں کے لیے رائج کی جاتی ہیں۔

ڈیورانٹ ڈریک نے مذہب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"دل اور ارادے کی ترتیب، جس کے ذریعہ انسان اعلیٰ ترین چیزوں پر غور و فکر تک آیا اور زندگی کے سطحی پہلوؤں اور حادثات سے بالاتر اندرونی طمانیت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اس کی اندرونی نوعیت کے اعتبار سے ہم اسے روحانیت کہتے ہیں، جب یہ خارجی صورتوں اور بصیرتوں میں مجسم ہوتا اور ساری برادریوں کے درمیان پھیلتا ہے تو ہم اسے مذہب کہتے ہیں۔"[1]

محمد مظہر الدین صدیقی مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مذہب کل زندگی ہے نہ کہ زندگی کا ایک شعبہ۔"[2]

مفکرین نے مذہب کی متعدد تعریفات کی ہیں جن میں سے ایک مغربی مفکر رابرٹ ایچ تھولس نے بھی نقل کی ہے چنانچہ اس کا کہنا ہے:

"مذہب نام ہے اس محسوس عملی تعلق کا جو کسی ایک یا متعدد ما فوق الفطری وجود یا وجودوں پر اعتقاد کی صورت میں کسی فرد کا اس سے یا ان سے قائم ہوتا ہے۔"[3]

اسی طرح پروفیسر وائیٹ ہیڈ (White Head) کا کہنا ہے:

"A system of general truths which have the effect of transforminf character when they are sincerely held and vividly apprehended."[4]

---

[1] مہاپتر، امولیہ رنجن، فلسفۂ مذاہب، (یاسر جواد)، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۶

[2] صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، طبع یازدہم، ص ۲

[3] Robert W. Crapps, Introduction to the Psychology of Religion, CUP Archive, 1971, p 4

[4] Muhammad Iqbal, Sir, The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, Dodo Press, UK, 1930, p

"مذہب ان صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جو انسانی کردار میں انقلاب پیدا کر دیں، بشرطیکہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصریت کے ساتھ سمجھا جائے۔"

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن میں مذہب کی اس انداز سے وضاحت کی گئی ہے:

" Religion is a complex of doctrines and practices and intititions. It is a statement of belief, in gods and God."(1)

"مذہب عقائد، عمل اور ارادوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ ایک یا متعدد خداؤں پر ایمان کا اظہار ہے۔"

مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا نے اپنی ایک تصنیف میں مذہب کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں جو مذہب کے کسی نہ کسی ضروری جزو پر حاوی ہیں۔ ان تعریفات میں سے چند اہم تعریفیں درج ذیل ہیں:

1۔ مذہب نام ہے اس احساس کا جو کسی مقدس، بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ میں پیدا کرتا ہے۔

2۔ مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشا اور ارادے سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے۔

3۔ مذہب ایک روحانی اور نفسی حاسہ ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہم دیگر ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

4۔ مذہب نام ہے ان مافوق الفطرت قوتوں کی رضاجوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔

5۔ مذہب نام ہے اس جستجو کا جو انسان زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لیے کرتا ہے۔(2)

مذکورہ بالا تعریفات پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کوئی تعریف بھی مذہب کے جامع تصور پر حاوی نہیں ہے بلکہ مذہب کے کسی ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔ تاہم اسلامی نقطہ نظر سے اگر تعریف کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کے لیے بھیجے۔ جن پر گامزن ہو کر انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی سنوار سکتا ہے گویا مذہب انسان کی روح اور جسم کی تمام اقتصادات کو پورا کرنے کا نام ہے۔

---

[1]E. Royston, Encyclopedia of Religion and Religious, The World Publishing Company, New York, 1958, p346

[2] چیمہ، غلام رسول، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۴۷

تقسیم مذاہب عالم:

انسان کے مذہبی افکار کی تشکیل ایک عرصہ دراز سے جاری ہے اور اسلام سے ماقبل مذہبی تصورات میں مسلسل ارتقا اور اصلاح ہوتی رہی ہے۔ کسی زمانہ میں ایسا نہیں ہوا کہ انسان کے معاشرے، سیاست اور علمی ترقیوں کا اثر مذہبی افکار پر نہ ہو یا قوموں کے میل جول اور تہذیبوں کے امتزاج سے ایک مذہب نے دوسرے مذہب کا اثر نہ قبول کیا ہو۔ تاہم مذہب نے نوعِ انسانی کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے معاشرے کو مذہبی رجحانات، عقائد و تصورات، اخلاقی ضوابط، سماجی قوانین، رسومات اور فلسفہ وغیرہ مہیا کیا، تلاشِ حق اور حصولِ ذاتِ الٰہی کی بنیادیں استوار کیں ہیں۔ زندگی کو پاکیزہ نظم وضبط اور رفعت و بلندی عطا کر کے معاشرے کو منظم کیا ہے۔ یہ نظریات و رجحانات دنیا میں پائے جانے والے ہر مذہب کے ماننے والوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان مذاہبِ عالم کی تقسیم باضابطہ کی جائے تو ان میں دو قسمیں ظاہر ہوتی ہیں یعنی بنیادی طور پر مذاہب کی دو اقسام ہیں:

1۔ سامی مذاہب

2۔ غیر سامی مذاہب

سامی مذاہب کو ابراہیمی مذاہب یا الہامی مذاہب بھی کہا جاتا ہے یعنی ایسے مذاہب جن کی بنیاد کسی الہامی کتاب پر ہو۔ عصری تناظر میں یہی اصل الاصول "اہل کتاب" کہلاتے ہیں۔ ان میں وہ تمام مذاہب شامل ہیں جو من جانب اللہ تعالیٰ نازل کئے گئے جبکہ غیر سامی مذاہب کی فہرست میں وہ تمام مذاہب شامل ہیں جنہیں الہامی ہونے کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ مثلاً کنفیوشس، زرتشت مت، ہندومت، جین مت، سکھ مت، بدھ مت، شنتو مت وغیرہ سبھی غیر سامی مذاہب میں شامل ہیں۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب:

الہامی مذاہب سے مراد وہ ادیان ہیں جو "خدا" اس کے "رسول" اور ان کے لائے ہوئے پیغامات اور کتابوں (صحف، ساویہ) پر یقین رکھتے ہیں۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے انہیں سامی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ احمد دیدات فرماتے ہیں:

" سامی مذاہب میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت داخل ہیں لیکن اس کے ہر گز یہ معنیٰ نہیں کہ ان مذاہب اور خصوصاً اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہا یا سامی نسل کی برتری پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے اصول مساوات کی آئینہ دار ہے۔"[1]

غیر الہامی مذاہب سے مراد وہ ادیان ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لاشریک کے تابع نہیں سمجھتے بلکہ انسانوں کے اپنے وضع کردہ ہوں۔ الہامی مذاہب کے علاوہ باقی تمام مذاہب غیر الہامی مذاہب ہیں جن میں ہندومت، بدھ مت، جین مت، سکھ ازم، مجوسیت وغیرہ سب غیر الہامی مذاہب ہیں۔ انہیں غیر سامی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔

سامی مذاہب اور سیرت نبوی ﷺ:

مذاہب عالم کی مختصر تقسیم سے واضح ہو چکا ہے کہ سامی مذاہب ایسے مذاہب ہیں جن میں ایک خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان واعتقاد پایا جاتا ہے تاہم عصر حاضر کے ادیان ومذاہب کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہودیت، مسیحیت اور اسلام کو سامی مذہب ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو نبی آخر الزماں، خاتم النبیین ﷺ کی سیرت کے نقوش اسلام کے ماقبل دونوں ادیان میں پائے جاتے ہیں، جہاں نبی دو کے ماننے والوں کو آپ ﷺ کے بارے میں نہ صرف بتایا گیا بلکہ انہیں آپ ﷺ کے شمائل وخصائل کے متعلق بھی آگہی فراہم کی گئی۔ مزید برآں ہر مذہب کے پیشواؤں کو آپ ﷺ کی فتح ونصرت کا پابند کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ"[2]

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمّہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں"

یہ آیت مبارکہ اس بات کی مکمل وضاحت کرتی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور شمائل کے متعلق انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے پاس واضح علم موجود تھا جس کی بناپر انہوں کے عہد وپیمان کیا تھا۔ سامی مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو کئی ایسے مقامات ملتے ہیں جہاں انبیاء

---

[1] احمد دیدات، کنفیوشس، زرتشت اور اسلام، مشتاق بک کارنر، لاہور، س ن، ص ۷

[2] آل عمران: ۸۱

سابقین علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو آپ ﷺ کی سیرت کے نقوش کی آفتاب کی روشنی سے میں واضح آگہی بہم پہچائی جیسا کہ قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ"[1]

"جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔"

مطلب یہ کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے ماقبل ہی آپ ﷺ کے نقوشِ سیرت ہر خاص وعام پر اس قدر واضح کر دیئے گئے تھے کہ بارگاہِ الٰہیہ میں مقبولیت سمجھتے ہوئے اپنی سخت مہمات کی کشائش میں آپ ﷺ کو ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

"وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا"[2]

"اور اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔"

چنانچہ یہود کہا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ"[3]

یعنی اے اللہ نبی اُمی کے توسّل سے ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر نقوشِ سیرت النبی ﷺ سے آشنا تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سامی مذاہب کے ماننے والوں میں سے بہت سے اہل کتاب آپ ﷺ پر ایمان لائے اور دین محمدی میں شامل ہو گئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

"الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"[4]

"وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی اُمیّ ہے کہ جن کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے

---

[1] البقرۃ:۱۴۶

[2] البقرۃ:۸۹

[3] رازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۰ھ، ج۳، ص۵۹۸

[4] الاعراف:۱۵۷

پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی بامراد ہوئے۔"

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے ایسے نقوس جنہیں اہل کتاب اپنی مقدس کتب میں پاتے تھے ان کی بنا پر ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دین اسلام کو تہہِ دل سے قبول کیا۔ سیرت النبی ﷺ کے نقوش کا امم سابقہ میں ذکر دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی واضح مثال پیش کی ہے جسے قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے، ارشاد فرمایا:

"وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ"[1]

"اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔"

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو صراحتاً اسم گرامی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے بارے میں آشنائی کروائی اور انہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ کے شمائل وخصائل کا تفصیلی بیان دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ نقوشِ سیرت کو عہد نامہ جدید میں یوں نقل کیا گیا ہے:

"اور میں نے شروع میں تم سے یہ باتیں اس لئے نہ کہیں کہ میں تماہرے ساتھ تھا، مگر اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے؟ بلکہ اس لئے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں تمہارا دِل غم سے بھر گیا۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی کی عدالت میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راست بازی میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم

[1] الصف:٦

ٹھہرایا گیا، مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اُن کو برداشت نہیں رسکتے، لیکن جب وہ روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن کو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا،"[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ مذکورہ نقوش کو اگر ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت میں دیکھیں تو یہی عادات واطوار اور خصائص وشمائل آپ ﷺ کی زندگی اور مقاصد میں ملتے ہیں، چنانچہ اوّلین تو یہ کہ سلسلہ نبوت میں آپ ﷺ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تشریف لائے اور اس کے بعد کوئی نبی ظلی یا بروزی نبی اس دنیا میں نہیں آیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ ﷺ کی بعث سے سلسلہ نبوت کا ہی اختتام ہو گیا، قرآن کریم میں ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"[2]

"محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخری۔"

ثانیاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں گناہ اور ناانصافیوں کا دور دورہ ہو گا اور انہی حالات میں ایک فرستادہ آئے گا جو لوگوں کو گناہوں سے نجات دلائے گا اور عدل وانصاف کو قائم کرے گا چنانچہ نقوشِ سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ کی ذات بالا صفات ہی ایسی ذات ہے جو شرک وناانصافی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں مبعوث کی گئی، جنہوں نے انسانیت ظلم وجبر سے نکال کر عدل وانصاف کے بلند میعار کو قائم کیا اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور وسیلہ بنے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"[3]

"وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا"[4]

---

[1] انجیل یوحنا۱۶: ۴۔۱۴

[2] الاحزاب: ۴۰

[3] الجمعۃ: ۲

[4] النساء: ۶۴

”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔“

ثالثاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ آنے والا لوگوں کو سچائی کی راہ دکھائے گا، انہیں حق اور سچ کی تعلیم دے گا اور ان کے اعمال کی اصلاح کرے گا چنانچہ آپ ﷺ کے نقوشِ سیرت اس کی عظیم مثال پیش کرتے ہیں کہ اعلانِ نبوت سے ماقبل ہی آپ ﷺ کو معاشرے میں صادق اور امین کے القابات سے یاد کیا جاتا رہا اور آپ ﷺ کے صدق وامانت کی مثالیں پیش کی جاتی تھیں، یونہی آپ ﷺ نے معاشرے میں فسق وفجور کا خاتمہ کر کے حسنِ عمل کو حیاتِ جاوداں بخشی، آپ ﷺ کی صدقِ قول و فعل کی تعلیمات کے بارے میں قرآن کریم میں ہے، ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ"[1]

”اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، تمہارے اعمال تمہارے لئے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

رابعاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس بارے میں بھی خبر دی ہے آنے والے رسول کی

خصوصیات میں سے ہو گا کہ وہ اپنی من مرضی یا اپنی جانب سے کوئی بات نہیں ہیں گا بلکہ وہ جو کہے گا، جب کہے گا، جیسا کہے گا سب اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی سے کہے گا چنانچہ بائبل میں بیان کی گئی اس خصوصیت کو بھی ہم نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے نقوش میں بعینہٖ پاتے ہیں کہ آپ ﷺ کا کلام، گفتگو، قول سب من جانب اللہ ہے جس میں ذرہ برابر بھی نفس کا عمل دخل نہیں ہے، قرآن کریم میں آپ ﷺ کی خصوصیت کا یوں ذکر کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"[2]

”اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔“

یعنی آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے، جو فرماتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے۔

خامساً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنے بعد آنے والے رسول کے متعلق یہ بات بھی بتائی کہ وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور ایسی باتیں جو انسانی آنکھ سے اوجھل ہیں یا جن چیزوں کے علم تک انسان کی رسائی نہیں ہے وہ آنے والا

---

[1] الاحزاب ۷۰،۷۱

[2] التکویر: ۲۳

ان سب کے بارے میں بھی بتائے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے میں مستقبل کی خبروں کا علم بیان کیا جن میں قیامت کی نشانیاں اہم ترین ہیں اس کے علاوہ اور جنتیوں کے جنت جانے تک، دوزخیوں کے دوزخ جانے اور اس بعد کے حالات، حتیٰ کے عالمِ غیب کی بہت سی انسانی علوم و معارف سے ماروا خبریں بیان کیں جن کا ذکر احادیث نبویہ میں کثرت سے ملتا ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی اس خصوصیت ذکر یوں کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا:

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ"[1]

"اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔"

مذکورہ بالا تفصیل بائبل کی ایک عبارت پر تھی اسی طرح سامی مذاہب کی کتب مقدسہ میں بھی نقوشِ سیرت کے ہی پہلو واشگاف ہوتے ہیں۔ الغرض انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ ﷺ کے جن نقوشِ سیرت کا ذکر اپنے زمانے کے لوگوں میں کیا انہیں عہد رسالت میں باحسن انداز میں موجود دیکھا گیا۔ تاہم سامی مذاہب کی کتب مقدسہ میں مزید کئی مقامات پر نقوش سیرت کا تذکرہ موجود ہے جیسا کہ عہد عتیق (عہد نامہ قدیم) میں استثنا کی کتاب میں ہے:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا۔۔۔۔ میں اُن میں سے اُن ہی کی مانند ایک نبی برپا کروں گا اور جو کچھ میں حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب لوں گا۔"[2]

استثنا کی اس آیت سے جن نقوش سیرت کی نشاندہی ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

آنے والا نبی، بنی اسرائیل کے بھائیوں میں مبعوث کیا جائے گا۔

آنے والا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہو گا۔

آنے والے نبی کی اطاعت واجب ہے۔

آنے والا نبی وہی بولے گا جو وحی الٰہی ہو گا اپنی جانب سے کچھ نہیں کہے گا۔

---

[1] النجم: ۳، ۴

[2] استثنا ۱۸: ۱۵۔ ۲۰

وہ احکامات الٰہیہ بیان کرے گا یعنی صاحب شریعت ہو گا۔

جو اس کا انکار کرے گا اس پر عتاب الٰہی نازل ہو گا۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے خطاب تھا جس میں انہوں نے ایک ایسے نبی کے نقوشِ سیرت کے متعلق آگہی دی جو بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہو گا، تاریخی روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی جن کے ہاں پیرانہ سالی میں دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوئے۔ تاہم حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد مرورِ زمانہ کے ساتھ بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی، روایات کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی اولادِ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا بیٹا نہیں تھا۔ استثنا کی اس آیت میں بھی بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کا ذکر کیا گیا ہے، تاریخی روایات اس بات کی بھی شاہد ہیں کہ بعثت انبیاء بنی اسرائیل میں ہی ہوئی تاہم نبی کریم ﷺ کے علاوہ کوئی اور نبی یا رسول بنی اسماعیل میں نہیں مبعوث کئے گئے جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ استثنا کی کتاب میں آپ ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئی کی جارہی ہے۔ مزید یہ بھی واضح ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نقوشِ سیرت النبی ﷺ کا پرچار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی وصیت کر رہے تھے۔

مزید یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند "صاحب شریعت"، "صاحب ہجرت"، "صاحب جہاد"، "صاحب ازدواج" ہو گا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کی حیات کے شب و روز کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ ہی وہ نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں کہ آپ ﷺ کی نئی شریعت دی گئی، آپ ﷺ نے ہجرت کی، موسیٰ علیہ السلام کی مانند راہِ حق میں جہاد کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی مانند صاحبِ ازدواج بھی ہوئے۔ اسی طرح اگر عہد جدید کا بھی مطالعہ کیا جائے تو اس میں بھی نقوش سیرت النبی ﷺ کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ایک خطاب میں فرمایا:

" اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے، اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"[1]

---

[1] یوحنا ۱۴:۱۵، ۱۶

اس خطاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نقشِ خاتم النبیین کو واضح کیا اور بتایا کہ میرے بعد کو انسانیت کا دوسرا مددگار آئے گا وہ ابد الاباد تک دنیا و دین مددگار ہو گا اور اس کے بعد کسی اور مددگار کی ضرورت نہیں رہے گی یعنی آپ ﷺ خاتم النبیین ہوں گے اور آپ ﷺ کا دین سامی مذاہب میں خاتم الادیان کہلائے گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشن گوئی کے مطابق دنیا کے دوسرے مددگار یعنی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ کو عالمگیر نبوت کے عطا ہونے کے ساتھ خاتم النبیین فرمایا گیا اور آپ ﷺ نے جس ابراہیمی مذہب کو متعارف کروایا اسے عالمگیر مذہب قرار دیا گیا جو تا قیام قیامت انسانیت کی نجات و کامیابی کا مذہب اور خاتم الادیان سماویہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ [2]

"محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔"

آیت کا شان نزول:

عرب معاشرے میں یہ قبیح رسم موجود تھی کہ وہ لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور اس لے پالک کو تمام احوال واحکام میں بھی حقیقی بیٹا ہی سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد وراثت، حلت وحرمت، رشتہ ،ناطہ وغیرہ تمام احکام میں بھی حقیقی بیٹا ہی تصور کرتے تھے۔

جس طرح نسبی بیٹے کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد باپ کے لئے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے اسی طرح وہ لے پالک بیٹے کی طلاق یافتہ یا بیوہ بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی قبیح رسم کا خاتمہ فرمایا۔

حضرت زیدؓ بن حارث حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے غلام تھے۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی ان کو زیدؓ بن حارث کی بجائے زیدؓ بن محمد کہنا شروع کر دیا تھا۔

---

[1] مفتی سعد کامران (ایم فل سکالر۔ فاضل علوم اسلامیہ۔ مصنف کتب کثیرہ)

[2] سورۃ احزاب ۳۳:۴۰

حضرت زیدؓ بن حارث کی اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے ناچاقی ہو گئی اور انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ تو اللہ تعالٰی نے حضور ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیں۔ تا کہ اس قبیح رسم کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے۔ جب حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیا تو مشرکین نے اعتراض شروع کر دیا کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ چنانچہ جواب میں اللہ تعالٰی نے یہ آیات نازل فرمائی۔ اس ایک فقرے میں ان تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے جو مخالفین نبی ﷺ کے اس نکاح پر کر رہے تھے۔

پہلا اعتراض:

ان کا اولین اعتراض یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ کی اپنی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔

جواب:

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ محمدؐ ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد ﷺ کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ جو بلوغت کی عمر کو پہنچا ہو۔

دوسرا اعتراض:

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اچھا! اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے تب بھی اس کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا زیادہ سے زیادہ بس جائز ہی ہو سکتا تھا، آخر اس نکاح کا کرنا کیا ضروری تھا؟

جواب:

اس کے جواب میں فرمایا گیا مگر وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلت کے معاملے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا اور وہ خاتم النبیین ہیں، یعنی ان کے بعد کوئی نیا رسول تو درکنار کوئی نیا نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نیا نبی یہ کسر پوری کر دے، لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔

اس کے بعد مزید زور دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ اس وقت محمد ﷺ کے ہاتھوں اس رسم جاہلیت کو ختم کرا دینا کیوں ضروری تھا اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی۔

وہ جانتا ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے لہٰذا اگر اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے اس نے اس رسم کا خاتمہ اب نہ کرایا تو پھر کوئی دوسری ہستی دنیا میں ایسی نہ ہو گی جس کے توڑنے سے یہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے۔ بعد کے مصلحین اگر اسے توڑیں گے بھی تو ان میں سے کسی کا فعل بھی اپنے پیچھے ایسا دائمی اور عالمگیر اقتدار نہ رکھے گا کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں لوگ اس کا اتباع کرنے لگیں، اور ان میں سے کسی کی شخصیت بھی اپنے اندر اس تقدس کی حامل نہ ہو گی کہ کسی فعل کا محض اس کی سنت ہونا ہی لوگوں کے دلوں سے کراہیت کے ہر تصور کا قلع قمع کر دے۔

آیت خاتم النبیین کی تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن پاک میں 7 جگہ پر ختم کے مادے سے الفاظ آئے ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝ [1]

”اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔“

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۝ [2]

---

[1] سورۃ البقرۃ 7 : 2

[2] سورۃ الاعراف46: 7

" (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دیدے؟ دیکھو ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔"

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ [1]

" پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟"

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ [2]

" آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے۔"

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ [3]

" بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ کلام خود گھڑ کر جھوٹ موٹ اللہ کے ذمے لگا دیا ہے؟ حالانکہ اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے، اور اللہ تو باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت کرتا ہے، یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں تک کو جانتا ہے۔"

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۔ [4]

" انہیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہو گی۔"

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔ [5]

" اس کی مہر بھی مشک ہی مشک ہو گی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر للچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر للچانا چاہیے۔"

---

[1] سورۃ الجاثیہ 23 : 45
[2] سورۃ یس 65 : 36
[3] سورۃ الشوریٰ 42:24
[4] سورۃ المطففین 83:25
[5] سورۃ المطففین 83:26

ان سات جگہ پر معنی میں قدر مشترک یہ ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کرنا کہ اندر والی چیز باہر نہ جاسکے اور باہر والی اندر نہ جاسکے۔

مثلا "ختم اللہ علی قلوبھم" اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔اب ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوسکتا اور کفران کے دل سے باہر نہیں جاسکتا۔

اسی طرح ہماری زیر بحث آیت میں بھی "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ دائرہ نبوت میں جتنے نبی آنے تھے وہ آچکے۔اب دائرہ نبوت میں نیا نبی نہیں آسکتا۔اسی طرح دائرہ نبوت سے کوئی نبی باہر نہیں جاسکتا۔

تفسیر القرآن بالقرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے نبیوں کی تعداد پوری ہوچکی ہے۔اب تاقیامت نیا نبی نہیں آسکتا۔

تفسیر "خاتم النبیین" بالحدیث:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.[1]

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد میری امت میں 30 جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں۔لیکن میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اس کے علاوہ ایک اور روایت میں یوں فرمایا۔

"عن أَنَسِ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ، فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ "[2]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بیشک رسالت اور نبوت (مجھ پر) منقطع ہوچکی ہے۔اب میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول ہے۔"

---

[1] ترمذی حدیث نمبر 2219، باب ماجاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون

[2] ترمذی حدیث نمبر 2272، باب ذھبت النبوۃ بقیت المبشرات

ان روایات سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے خود ہی خاتم النبیین کی تشریح فرمادی کہ میرے اوپر رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے اور میرے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی نیا رسول آئے گا۔یعنی نبیوں کی تعداد حضور ﷺ کے تشریف لانے سے مکمل ہو چکی ہے۔اب کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔

خاتم النبیین کی صحابہ کرامؓ سے تفسیر:

تفسیر در منثور میں امام ابن جریرؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"مثلي و مثل النبيين كمثل رجل بنى دارا فأتمها إلا لبنة واحدة، فجئت انا فأتممت تلك اللبنة."[1]

"میری اور انبیاءؑ کی مثال ایسے ہے۔جیسے ایک آدمی گھر بنائے اسے مکمل کر دے۔مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے۔میں آیا تو اس اینٹ کو مکمل کر دیا۔"

تفسیر در منثور میں امام ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ کی ایک روایت یوں نقل کی ہے۔

"قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمثل رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فكان من دخلها فنظر اليها قال : ما احسنها إلا موضع اللبنة فأنا موضع اللبنة، ختم بى الانبياء"[2]

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور انبیاءؑ کی مثال ایسے آدمی جیسی ہے۔جو گھر بنائے جیسے ایک آدمی گھر بنائے اسے مکمل کر دے۔اور اسے اچھا بنائے۔مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے۔جو بھی اس گھر میں داخل ہو اسے دیکھے تو کہے کہ کتنا اچھا ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ، میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔مجھ پر انبیاء کو ختم کیا گیا۔"

صحابہ کرامؓ کی خاتم النبیین کی تفسیر سے بھی پتہ چلا کہ نبیوں کی تعداد حضور ﷺ کے تشریف لانے سے مکمل ہو چکی ہے۔اب تا قیامت کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

---

[1] در منثور (عربی) جلد 12 صفحہ 63 تفسیر در آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب طبع مصر 2003ء
در منثور (اردو) جلد 5 صفحہ 577 تفسیر در آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب طبع ضیاء القرآن پبلیکیشنز 2006ء
[2] در منثور (عربی) جلد 12 صفحہ 63 تفسیر در آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب طبع مصر 2003ء
در منثور (اردو) جلد 5 صفحہ 577 تفسیر در آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب طبع ضیاء القرآن پبلیکیشنز 2006ء

خاتم النبیین اور اصحاب لغت:

آیئے اب لغت سے خاتم النبیین کا معنی متعین کرتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی کی لغات القرآن کی کتاب مفردات القرآن کی تعریف امام سیوطیؒ نے کی ہے۔اور امام سیوطیؒ قادیانیوں کے نزدیک مجدد بھی ہیں۔لہذا یہ کتاب قادیانیوں کے نزدیک بھی معتبر ہے [1]۔امام راغب لکھتے ہیں:

"وخاتم النبیین لانه ختم النبوة ای تممها بمجیئه" [2]

"آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کو ختم کر دیا۔یعنی آپ ﷺ نے تشریف لا کر نبوت کو تمام فرما دیا۔"

لسان العرب عربی لغت کی مشہور و معروف کتاب ہے۔یہ کتاب عرب و عجم میں مستند سمجھی جاتی ہے۔اس میں خاتم النبیین کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے:

"خاتِمهم اور خاتَمهم آخرهم عن الحیانی و محمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه وعلیهم الصلوة والسلام [3] "

"خاتم القوم زیر کے ساتھ اور خاتم القوم زبر کے ساتھ، اس کے معنی آخر القوم ہیں۔اور انہیں معانی پر لحیانی سے نقل کیا جاتا ہے۔محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں یعنی آخری نبی ہیں۔"

یہ تو صرف لغت کی 2 کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ لغت کی تقریبا تمام کتابوں میں خاتم النبیین کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

لیجئے لغت سے بھی خاتم النبیین کا یہی مطلب ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے نبیوں کی تعداد مکمل ہوگئی ہے اب تا قیامت کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

---

[1] خدا بخش قادیانی، عصل مصفیٰ، طبع امرتسر ۱۹۱۳، جلد نمبر 1، صفحہ 164

[2] مفردات راغب صفحہ 275 بحث در لفظ ختم مفردات راغب صفحہ 275 بحث در لفظ ختم

[3] لسانُ العرب جلد 12 صفحہ 164

خاتم النبیین پر قادیانی اعتراضات اور ان کے علمی تحقیقی جوابات:

قادیانی اعتراض نمبر1:

"کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ لفظ "خاتم" کی اضافت "جمع" کی طرف ہو اور وہاں اس کا معنی "آخری" آیا ہو، یہ چیلنج سو سال سے دیا جا رہا ہے لیکن کوئی اس کو توڑ نہیں سکا؟"

قادیانی اعتراض کا جواب:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"خاتم الخلفاء یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر میں آنے والا ہے۔" [1]

یہاں "خاتم" کی اضافت "جمع" کی طرف ہے اور مرزا صاحب نے اسکا ترجمہ کیا ہے "آخری خلیفہ" واضح رہے یہ کتاب مرزا صاحب کی زندگی کی آخری کتابوں میں سے ہے۔

قادیانی اعتراض نمبر2:

"ہم نے مرزا صاحب کی تحریروں سے نہیں پوچھا، ہم نے لغت کی کتابوں اور عرب محاورات سے پوچھا ہے اس لئے ہمارے سامنے مرزا جی کی تحریریں نہ پیش کریں۔"

قادیانی اعتراض کا جواب:

آپ کی تسلی کے لئے لغت سے بھی ثابت کر دیتے ہیں، غور سے پڑھیے گا۔

1۔ "تاج العروس" میں ہے:

"والخاتم آخر القوم كالخاتم ومنه قوله تعالى خاتم النبيين أي آخرهم " [2]

''خاتم کا مطلب ہوتا ہے قوم کا آخری آدمی (یعنی جب خاتم القوم بولا جائے) اور اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے کہ وخاتم النبیین جسکا مطلب ہے آخری نبی۔''

---

[1] چشمہ معرفت صفحہ 318 مندرجہ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 333

[2] تاج العروس جلد 32 صفحہ 45

2۔ "لسان العرب" میں ہے کہ
"وختام القوم وخاتَمهم وخاتِمهم آخرهم"
"جب ختام القوم یا خاتَم القوم یا خاتِم القوم بولا جائے تو اسکا معنی ہوتا ہے قوم کا آخری آدمی"
پھر آگے لکھا ہے "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین أی آخرهم" خاتم النبیین کا مطلب ہے آخری نبی۔

3۔ "کلیات ابی البقاء" میں ہے:
"وتسمیة نبینا خاتم الانبیاء لأن الخاتم آخر القوم"[1]
ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام خاتم الانبیاء رکھا گیا، کیونکہ خاتم کسی بھی قوم کے آخری فرد کو کہتے ہیں۔

قادیانی اعتراض نمبر3:

"ہم نے پوچھا تھا کوئی ایسا حوالہ دکھاؤ جہاں "خاتم" کی اضافت "جمع" کی طرف ہو، تم نے "خاتم القوم" دکھایا، یہ "قوم" تو واحد ہے جمع نہیں، اسکی جمع تو "اقوام" آتی ہے۔"

قادیانی اعتراض کا جواب:

"قوم" واحد نہیں بلکہ "اسم جمع" ہے، قوم ایک آدمی کو نہیں کہتے بلکہ بہت سے افراد کے مجموعے کو قوم کہتے ہیں اس لئے قرآن کریم میں اور جہاں بھی "قوم" کا لفظ آیا ہے وہاں اسکے بعد اسکے لئے جمع کی ضمیریں اور جمع کے صیغے ہی لائیں گئے ہیں
، تاج العروس میں جہاں "خاتم القوم" لکھا ہے اسکے بعد لکھا ہے "آخرھم" یعنی انکا آخری، یہاں "ھم" کی ضمیر "قوم" کی طرف لوٹائی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ "قوم" جمع ہے، آیئے اب قرآن کریم سے کچھ مثالیں دیکھتے ہیں۔

آیت نمبر1:

حضرت نوح علیہ اسلام کے بارے میں آیا ہے کہ
لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ[2]

---

[1] کلیات ابی البقاء صفحہ 431
[2] سورۃ الاعراف 7:59

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس آپ نے ان سے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

اس جگہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں "یا قوم" اے قوم اور آگے انھیں جمع کے صیغے سے خطاب کرتے ہیں، "اعبدوا"، "مالکم" اور "علیکم" کے ساتھ، ثابت ہوا قوم جمع ہے۔

آیت نمبر2:

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ [1]

''نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر وہی زبان بولنے والا جو اسکی قوم کی ہو تاکہ وہ ان کے لئے (اللہ کی بات) کھول کر بیان کر سکے۔''

یہاں قوم کا ذکر کر کے "لیبین لھم" میں "ھم" کی ضمیر جمع لائی گئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ قوم جمع ہے۔

آیت نمبر3:

ایک اور جگہ نوح علیہ اسلام کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا پس ھم نے بھیجا نوح علیہ اسلام کو انکی قوم کی طرف پس وہ رھے ان میں پچاس کم ھزار سال۔ [2]

یہاں بھی "قوم" کا ذکر کر کے فرمایا "فیھم" اور یہ "ھم" کی ضمیر جمع کی ہے جو قوم کی طرف لوٹائی گئی۔

قرآن کریم ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے، قوم کا لفظ جہاں بھی آیا ہے اسکی طرف لوٹائی جانے والی ضمیر اور صیغے جمع ہی آئے ہیں اس لئے اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ اسم جمع ہے جو ایسے گروہ کے لئے بولا جاتا ہے جس کے بہت سے افراد ہوں، اور "اقوام" اسکی جمع الجمع ہے۔

---

[1] سورۃ ابراھیم 14:4

[2] سورۃ العنکبوت 29:14

قادیانی اعتراض نمبر4:

"عرب محاورے میں جہاں بھی "خاتم" کی اضافت "جمع" کی طرف آئی ہے وہاں اسکا معنی آخری ہو ہی نہیں سکتا بہت سے لوگوں کو خاتم المحدثین،خاتم الفقہاء یا خاتم المفسرین کا خطاب دیا گیا ہے، کیا انکے بعد محدثین، فقہاء، مفسرین آنا بند ہو گئے تھے ؟

قادیانی اعتراض کا جواب:

"اگر کسی انسان نے کسی انسان کے بارے میں یہ لفظ بولا ہے تو چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اس لئے یہی دلیل ہے کہ وہ صرف اپنے زمانے کے بارے میں بات کر رہا ہے ورنہ اسے معلوم ہی نہیں کہ بعد میں اس سے بڑا محدث، فقیہ، یا مفسر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

نیز یہاں تو سب سے زیادہ "افضل" والا (قادیانی) معنی بھی نہیں ہو سکتا اور نہ اسکا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اب اس محدث یا فقیہ یا مفسر کی مہر سے ظلی بروزی مفسر یا محدث بنے گے، اب مرزائی متعرض ہی بتائے کہ جہاں کسی انسان نے کسی دوسرے انسان کے بارے میں "خاتم المحدثین" یا "خاتم المفسرین" لکھا ہے تو اس کے وہ کیا معنی کرتے ہیں ؟

سب آخری مفسر، سب سے افضل مفسر، یا ایسا مفسر جس کی مہر سے محدث یا مفسر بنے گے ؟؟؟

آپ اپنے معنی بیان کرو تاکہ بات اس پر آگے چلے، ہمارے نزدیک تو صرف یہ تمام مبالغہ کے لئے ہے اور کچھ نہیں، اور کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آج کے بعد کوئی مفسر یا کوئی محدث ایسا پیدا ہو ہی نہیں سکتا جو اسکے زمانے کے محدثین یا مفسرین سے بڑا ہو، لیکن اللہ عالم الغیوب ہے جب کسی کے بارے میں فرمائے "خاتم النبیین" تو وہاں خاتم کا معنی حقیقی لینے میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اللہ کو علم ہے اب قیامت تک کوئی نبی نہیں پیدا ہونے والا۔

قادیانی اعتراض نمبر5:

جب قادیانیوں کو کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے خاتم الاولاد کا مطلب آخری اولاد لیا ہے تو ان کی من گھرٹ دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ لفظ خاتِم ہے خاتَم نہیں ہے۔

(یاد رہے کہ مرزا صاحب نے جہاں بھی خاتم لکھا وہاں اس کی کوئی وضاحت نہیں کی)

قادیانی اعتراض کا جواب:

خاتَم اور خاتِم کا معنی:

پہلی بات تو یہ ہے کہ خاتَم اور خاتِم کا یہ من گھرٹ فرق جو مرزائی کرتے ہیں کیا لغت عرب میں اس کا وجود ہے ؟؟؟

دو تین کتابوں کے حوالے پیش خدمت ہیں ورنہ پچاسوں کتابیں ہیں جو اس معنی کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

1۔ صاحبِ لسانُ العرب علامہ ابن منظور جو ساتویں صدی کے بہترین عالم گزرے ہیں۔

انہوں نے اپنی کتاب میں یہ تشریح کی ہے

"والخَتْمُ ،الخَاتِم ،الخَاتَمُ ،والخَيْتَامُ كُلّها بمعنى واحدٍ ومعناها أخيرها"

''اور ان تمام کا معنی ایک ہی ہے اور وہ کیا کسی چیز کا اخیر۔ ختم کرنے والا۔''

کہتے ہیں **"خِتامُ الوداى،خاتَم الوادى،خاتِم الوادى،أخير الوادى"**

''وادی کا اخری کنارہ۔ جہاں وادی ختم ہو جاتی ہے ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''

اور مزید لکھتے ہیں:

"خِتَامُ القومِ خاتِمُهُمْ و القومِ وخَاتَمُهُم أخرهم " [1]

''ختام القوم، خاتِم القوم، خاتَم القوم سب کا ایک معنی اخر القوم۔''

"والخاتَم والخاتِم :من أسماءالنبیﷺ معناه: آخر الانبياء :وقال الله تعالى،خاتَم النبين" [2]

(تا کے زیر سے) خاتِم اور (تا کے زبر سے) خاتَم دونوں کا معنی آخر الانبیاء ہے اور اللہ تعالی نے فرمایا خاتَم النبین۔

معلوم ہوا خاتَم ہو یا خاتِم دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کسی چیز کا کنارہ، کسی چیز کی انتہا، جہاں پر کوئی چیز ختم ہو جاتی ہے اس کو خاتَم بھی کہتے ہیں خاتِم بھی کہتے ہیں، ختام، اور ختم بھی کہتے ہیں یہ تمام کے تمام الفاظ ہم معنی ہیں مترادف ہیں۔

---

[1] لسانُ العرب جلد12 صفحہ164

[2] تہذیب اللغہ جلد7 صفحہ316

لسانُ العرب جلد12 صفحہ164

یہ معنی آج کے علماء نے نہیں لکھا کہ مرزا صاحب کے تعصب میں مولویوں نے کتابوں میں لکھ دیا ہو بلکہ یہ معنی ان علمائے کرام نے لکھا جو مرزا صاحب کے آنے سے ہزاروں برس پہلے گزر چکے ہیں اور جن کی کتابیں لغت عرب میں سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کی زبان میں قران نازل ہوا ان علماء کرام کی تحقیق ہے کہ خاتَم ہو یا خاتِم معنی ایک ہی ہے آخر الشئ اور پھر اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالی فرماتا "خاتم النبیین"، "آخر النبیین "سب نبیوں کے آخر میں آنے والا۔۔۔

اس تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خاتَم کے معنی آخری ہی ہیں اس کے بعد یہ محض دھوکہ فریب اور دجل و تلبیس ہے اگر یہ کہا جائے کہ خاتَم کے معنی اور خاتِم کے معنی اور ہیں۔

ہمارے نزدیک علمائے حق اور آئمہ لغت کی تحقیق کے مطابق لفظ خاتَم ہو یا خاتِم اللہ کے محبوب ﷺ کے بعد اب اور کوئی نبی نہیں بن سکتا۔

خاتم النبیین کا ترجمہ اور قادیانی جماعت:

معزز قارئین ہم نے آیت خاتم النبیین پر علمی، تحقیقی گفتگو سے ثابت کیا کہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے نبیوں کی تعداد مکمل ہو چکی ہے اب تا قیامت کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

اب ہم قادیانی جماعت کے اس آیت کے ترجمے اور مفہوم کا جائزہ لیتے ہیں اور آپ کو بتاتے ہیں کہ قادیانیوں کا ترجمہ کیوں غلط ہے۔

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

"خاتم النبیین کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ کی کامل اتباع سے نبی بنیں گے۔[1] "

قادیانیوں کے خاتم النبیین کے کئے گئے ترجمے کے غلط ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وجہ نمبر1:

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

"مجھے نبوت تو ماں کے پیٹ میں ہی ملی تھی۔[2] "

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ 97 مندرجہ روحانی خزائن جلد22 صفحہ 100

[2] حقیقۃ الوحی صفحہ 67 مندرجہ روحانی خزائن جلد22 صفحہ 70

ایک طرف تو کہتے ہیں کہ نبوت حضور ﷺ کی اتباع سے ملتی ہے جبکہ یہاں تو مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے نبوت ماں کے پیٹ میں ہی ملی تھی۔ اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ مرزا صاحب کی کون سی بات درست ہے۔

وجہ نمبر 2:

مرزا صاحب نے خود خاتم النبیین کا ایک جگہ ترجمہ لکھا ہے کہ

"ختم کرنے والا ہے سب نبیوں کا۔ [1]"

اگر یہ ترجمہ غلط ہے تو مرزا صاحب نے یہ ترجمہ کیوں لکھا؟؟

وجہ نمبر 3:

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

"میرے پیدا ہونے کے بعد میرے والدین کے گھر میں کوئی اور لڑکا یا لڑکی نہیں ہوئی۔ گویا میں اپنے والدین کے لئے خاتم الاولاد تھا۔ [2]"

اگر خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مہر سے نبی بنتے ہیں تو خاتم الاولاد کا بھی یہی مطلب ہونا چاہیے کہ مرزا صاحب کی مہر سے مرزا صاحب کے والدین کے گھر میں اولاد پیدا ہو گی۔ کیا قادیانی یہ معنی خاتم الاولاد کا کریں گے؟

یقیناً یہ ترجمہ نہیں کریں گے تو پتہ چلا کہ قادیانیوں کا کیا گیا ترجمہ سرے سے ہی باطل ہے۔

وجہ نمبر 4:

ایک طرف قادیانی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مہر سے ایک سے زائد نبی بنیں گے۔ جبکہ دوسری طرف مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کا موقف ہے کہ صرف مرزا قادیانی کو ہی حضور ﷺ کی کامل اتباع سے نبوت ملی ہے۔ [3]

---

[1] ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 614 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 431

[2] تریاق القلوب صفحہ 157 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 479

[3] حقیقۃ الوحی صفحہ 391 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406

مرزا صاحب کے بعد خلافت ہے نبوت نہیں۔ تو اس طرح حضور ﷺ خاتم النبی ہوئے، خاتم النبیین نہ ہوئے۔ اس لئے خود یہ ترجمہ قادیانیوں کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔

وجہ نمبر5:

اگر خاتم النبیین کا یہ مطلب لیا جائے کہ حضور ﷺ کی اتباع سے نبوت ملے گی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ، حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے خاتم نہیں بلکہ اپنے سے بعد آنے والے نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور یہ بات قرآن و حدیث کی منشاء کے خلاف ہے۔

وجہ نمبر6:

یہ معنی محاورات عرب کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ پھر خاتم القوم اور خاتم المھاجرین کے بھی یہی معنی کرنے پڑیں گے کہ اس کی مہر سے قوم بنتی ہے اور اس کی مہر سے مھاجر بنتے ہیں۔ اور یہ ترجمہ خود قادیانیوں کے نزدیک بھی باطل ہے۔

قادیانیوں کو چیلنج:

اگر کوئی قادیانی قرآن پاک کی کسی ایک آیت سے یا کسی ایک حدیث سے یا کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کے قول سے خاتم النبیین کا یہ معنی دکھا دے کہ حضور ﷺ کی مہر سے یعنی کامل اتباع سے نبی بنتے ہیں تو اس قادیانی کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

لیکن

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

نظریہ وحدتِ ادیان کا اجمالی جائزہ

مولانا محمد عبداللہ اسد[1]

دنیا میں مذاہب دو طرح کے ہیں

1۔ الہامی مذاہب

2۔ غیر الہامی مذاہب

غیر الہامی مذاہب وہ ہیں جن میں وحی والہام کے بغیر تعلیمات درج ھیں جن کی بنیاد ھی سرے سے غلط ھے یعنی وہ مذاھب جو خود ساختہ ھیں انسان کے بنائے ھوئے ھیں ان میں جین مت، بدھ مت وغیرہ آتے ھیں۔

الہامی مذاھب وہ ھیں جو اللہ تعالی کے نازل کردہ ھیں ان میں نبی ورسول تعلیمات الہی عوام الناس تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ھے جیسے یہودیت عیسائیت اور اسلام، الہامی مذاھب میں محفوظ اور غیر مسخ شدہ دین واحد اسلام ھے جس کے وجود نے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا اسلام میں نجات کا تصور اسی میں کاربند ھے کہ اللہ کے پیغمبر حضور خاتم النبیین ﷺ پر نازل شدہ تعلیمات کو من و عن تسلیم کر کے اس پر صدق دل سے عمل کیا جائے۔

تمام الہامی مذاھب کے نزدیک ایمان بنیادی شرط ہے۔ سوال پیدا ھوتا ھے کہ ایمان کیا چیز ھے؟ اس کا جامع مانع جواب یہی ھے کہ تمام ضروریات دین کو دل و جان سے مانا جائے۔ ضروریات دین سے مراد وہ تمام چیزیں جو نبی اللہ کی طرف سے لے کر آتا ھے۔

اسلام کے نازل ھونے پر تمام سابقہ مذاھب منسوخ ھو گئے مگر ان کے ماننے والے ابھی تک موجود ھیں جو اپنے محرف ادیان کو پھیلانے میں کمربستہ ھیں جب ان کا مقصد پورا نہیں ھوتا تو اسلام کے رستے میں رکاوٹیں ڈالتے ھیں تاکہ اللہ کے دین کو بھی اسی طرح زک پہنچے جیسے ھمارے

---

1 محمد عبداللہ اسد: فاضل علوم اسلامیہ

ساتھ ھوا ھے اس سلسلے میں ناواقف اور کم علم لوگوں میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیتے ھیں نظریہ وحدت ادیان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ھے۔

نظریہ وحدت ادیان کیا ھے؟

وحدت ادیان کا سادہ مطلب بعض کے نزدیک یہ ھے کہ تمام مذاھب میں یگانگت وھم آھنگی۔

مگر اس نظریے کے حامل لوگ کہتے ھیں کہ ھر بندہ اپنے مذھب کے پر رھتے ھوئے اگر اس مذھب کے بنیادی اصولوں پر عمل پیرا ھو تو وہ نجات حاصل کر سکتا ھے چاھے اسکا مذھب کوئی بھی ھو۔

نظریہ وحدت ادیان تاریخی تناظر میں:

کہا جا سکتا ھے کہ ایک طرح نظریہ وحدت ادیان کا عملی نفاذ سرکاری طور پر مغلیہ سلطنت کے اکبر بادشاہ نے کیا اس کی بنیادی وجہ اکبر کی ذھنی وشعوری غفلت تھی جو اسکی تعلیم نہ ھونے کی وجہ سے حد سے بڑھ گئی تھی نصیر الدین ھمایوں جب شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر فارس چلا گیا تب اکبر کی تعلیم کا مناسب بندوبست نہ ھو سکا اکبر زیادہ تر افکار و نظریات میں آزاد ذھنیت رکھتا تھا پھر اس کے درباری بھی زیادہ تر عیاش اور غافل تھے اکبر کو دین الہی کی ایجاد کے لیے تحریک اسکے درباریوں نے ھی بخشی علوم دینیہ سے ناآشنا ھونے کی وجہ سے اس نے تمام مذاھب کو یکجا کرنے کے لیے "دین الہی" تخلیق کیا بظاھر اکبر کی کاوش تمام مذاھب میں یگانگت اور اتفاق پیدا کرنے پر موقوف تھی مگر اس کے نتائج اور خطرناکی سے وہ کلی طور پر لاعلم تھا اس کے زھریلے اثرات کے تریاک کے لیے شیخ احمد سرھندی المعرف حضرت مجدد الف ثانی میدان میں اترے۔

برصغیر میں برطانوی سامراج نے اسلام کی حقیقی شناخت کو مسخ کرنے کے لیے تنسیخ جہاد، اجرائے نبوت، اسلاف سے بداعتمادی، انکار حدیث، نیچریت اور شرک وبدعت کی زبردست آبیاری کی پھر کیا ھونا تھا اسلام کے حقیقی فرزند میدان میں اترے انھوں نے ھر فتنے کا قلع قمع کرنے کے لیے زبردست مساعی کیں جسکی پاداش میں انھیں اپنے ھی خون میں نہانا پڑا

دوسری طرف ایک اور زبردست حملہ کیا وہ یہ کہ دینی اور دنیوی تعلیم کے راستے الگ الگ کر کے ان میں دراڑ پیدا کر دی نظریات میں ٹکراؤ پیدا ھونے لگا مذھبی منافرت بڑھتی گئی عقل پرستی کو پروان چڑھا جس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ثابت ھوا۔

لوگوں نے باطل تاویلات کے ذریعے قرآن فہمی کا ڈنکہ بجانا شروع کر دیا اور بڑی شد و مد سے باطل افکار کا پرچار کرنا شروع کر دیا یہ وہ دور تھا جب مسلم دنیا ھر طرف سے مغلوب اور شکست خوردہ ھو رھی تھی اسی دور میں نظریہ وحدت ادیان کی تبلیغ شروع کر دی گئی امریکہ اور یورپ کے بعض خطوں میں اس نظریے کو بڑے احسن انداز سے پیش کیا گیا بظاھر یہ آواز انتہائی مؤثر تھی جس کا شکار کم علم حضرات بڑی تعداد میں ھوئے۔اب بھی بعض آزاد ذھنیت رکھنے والے حضرات اسے نئے نئے حربے استعمال کر کے پیش کرتے ھیں ان میں فلمی ایکٹرز اور موٹی ویشنل اسپیکرز کے ساتھ کچھ پروفیسرز بھی سرفہرست ھیں کچھ عرصہ قبل ایک کلپ نظر سے گزرا جس میں ایک جید اور نامور پروفیسر نے سیکولرازم کے نام سے وحدت ادیان کو ھر دینیت قرار دیا اور بھی کئی لوگ اسے مختلف طریقوں سے اسے پیش کرنے کی کوشش کرتے ھیں تاکہ عوام کو گمراہ کیا جائے۔

قرآن سے بے جا استدلال:

اس نظریے کے حامل لوگ قرآن میں باطل تاویلات کر کے اپنا مطلب بیان کرنے کی کوشش کرتے ھیں سب سے زیادہ اس کی دلیل میں سورہ بقرہ سے آیت پیش کی جاتی ھے

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○[1]

ترجمہ:

”حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہو گا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔“

یہ ان کا طریقہ واردات ہے عوام ظاھری مفہوم دیکھ کر متاثر ھو جاتے ھیں حالانکہ حقیقی معنی اور اصطلاحات پر غور نہیں کرتے۔

قرآن میں جب دو الفاظ ایک ھی جگہ آئیں تو انکا مفہوم الگ الگ ھو گا جیسے سورہ المائدہ میں ایمان کے مطالب بیان ھیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَكُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○[2]

---

[1] سورہ بقرہ 2:62

[2] المائدہ 5:57

ترجمہ: "اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور کافروں کو یار و مددگار نہ بناؤ، اور اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔"

یہاں پہلے ایمان سے ظاہری اسلام اور دوسرے سے حقیقی مراد ھے حقیقی۔

سورہ النسا آیت 136 میں بھی اس کی مثل موجود ھے

پھر دوسری اھم چیز یہ ھے کہ قران میں من أمن بالله واليوم الاخر سے مراد صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لانا نہیں ھے بلکہ یہ ایک اصطلاح ھے اور اس سے اللہ کے تمام احکامات پر ایمان لانا مراد ھے جس میں تمام ضروریات دین شامل ھیں یہ اصطلاح مکمل اسلامی عقائد و نظریات اور اللہ کے احکامات و منکرات کی ترجمان ھے جیسے سورہ توبہ میں بیان ھے۔

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤـئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ 18○[1]

ترجمہ: "اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں گے"۔

سو ایمان بالا اللہ اور ایمان بالاخرہ سے مراد حقیقی ایمان ھے جو لوگ صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کو مکمل اسلام گردانتے ھیں وہ صریح طور پر غلط ھیں

قرآن میں اس کی نفی موجود ھے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ○[2]

ترجمہ: "کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مومن نہیں ہیں"

پس ضروری ھے کہ سورہ بقرہ کی آیت 62 میں استعمال اصطلاح کو اصطلاح ھی مانا جائے وگرنہ بہت سی دوسری آیات سے یقینی طور پر تعارض پیدا ھو گا جیسے سورہ بقرہ میں بیان ھے

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰۤـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ[3] O

---

[1] سورۃ التوبہ 9:18

[2] سورہ البقرہ 2:8

[3] سورۃ البقرہ 2:177

"لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں"

پھر وہ تمام آیات جن میں نبوت ورسالت، ملائکہ، آسمانی کتب، ختم نبوت وغیرہ کا واضح ذکر ھے، سورہ بقرہ آیت 62 میں مستعمل ایمان کے صرف ظاھری معنی مراد لینے سے بے فائدہ ٹھرتی ھیں جو کہ انتہائی خطرناک بات ھے

اس کے مزید خطرناک نتائج میں رسالت محمدی، اسلام کی کاملیت وجامعیت اور ختم نبوت کا انکار پیش پیش ھیں

اگر نظریہ وحدت ادیان کو مان لیا جائے تو دنیا میں کوئی کافر نہ رھے کوئی غیر ناجی نہ ھو گا سب ایک لڑی میں ھوں گے یہی چیز ضرورتِ تعلیمات اسلامیہ کو کھوکھلا بنانے کی ناکام کوشش کرتی ھے مگر اسلام نے واضح بیان کر دیا ھے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ [1]

ترجمہ: "جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں"

حاصل کلام:

ماحصل یہ ھے کہ دین اسلام کے علاوہ کہیں بھی نجات کا تصور چاھے کسی بھی رنگ میں ھو باطل ھے

نجات اسی میں ھے کہ ایمان لایا جائے یعنی تمام ضروریات دین کو من وعن صدق دل سے مانا جائے اور صالح اعمال کیے جائیں جو ایسا کرے گا وھی مسلم کہلانے کا صحیح حقدار ٹھرے گا۔

ضروریات دین میں کسی ایک چیز کا بھی انکار یا باطل تاویل کفر ھے انکار یہ ھے کہ کوئی عقیدہ ختم نبوت کو سرے سے تسلیم ھی نہ کرے اور باطل تاویل یہ کہ کوئی ظلی یا بروزی نبی کی نبوت کا بعد از پیغمبرِ اسلام حضور خاتم النبیین ﷺ عقیدہ رکھے۔

آج کل جو لوگ نظریہ وحدت ادیان کی تبلیغ سوشل میڈیا اور دوسرے جدید ذرائع استعمال کر کے نئے رنگ روپ میں کر رھے ھیں یونی ورسٹیز کے طلبہ وطالبات خصوصی طور پر اسکا شکار ھو رھے ھیں اس نظریہ کے حاملین اسلامی نکتہ نظر سے صریح گمراہ ھیں ایسوں کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ ہمیں افراط وتفریط سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے آمین

[1] سورہ آل عمران 3:85

مرزا غلام احمد قادیانی کی تاریخ پیدائش اور عمر غلام احمدیوں میں ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے کیونکہ مرزا غلام احمد کے کذاب ہونے کا ایک بہت بڑا ثبوت اسکی عمر میں ہے۔اس ضمن میں یہ تحقیق پیش کی جارہی ہے تا کہ قادیانی مذہب اسے پڑھ کر راہ راست پر آنے کی کوشش کرے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾ [2]

"اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے وہی مینہ برساتا ہے، وہی حاملہ کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی، بیشک اللہ ہی جاننے والا خبر دار ہے۔"

"عبد العزیز بن عبد اللہ، ابرھیم بن سعد، ابن شھاب، سالم بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں، جن کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہے، اول قیامت کا علم (کہ کب آئے گی)، دوم بارش کا علم (کہ کب ہوگی)، سوم رحم میں کیا ہے؟ (یعنی نر یا مادہ)، چہارم۔ کل کیا کرے گا؟ اور پنجم یہ کہ موت کہاں (اور کب) آئے گی؟ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا اور خبر دار ہے۔"[3]

---

[1] سلیمان احمد: ریسرچر ختم نبوت لاہور

[2] سورۃ لقمان۔ آیۃ 34

[3] صحیح بخاری: حدیث نمبر 1810

اس بات پر ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ موت کا علم صرف اللہ تعالیٰ عزوجل کو ہے، کس انسان کو کب اور کہاں موت آنی ہے یہ علم کسی انسان کو نہیں دیا گیا بلکہ پردہ غیب میں رکھا گیا۔ لہٰذہ یہ بات بالکل برحق ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اللہ تعالیٰ اس کی عمر کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔ عمر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی جھوٹا یا سچا نہیں ٹھہرتا۔ نہ ہی کوئی اسے سچائی کا معیار بناتا پھرتا ہے۔ سچائی ثابت کرنے کے لئے بندے کا سچا ہونا ضروری ہے۔ مزید براں انبیاء کرام علیہم السلام کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں وہ خود بھی سچ پر کاربند رہے اور لوگوں کو بھی سچائی کی تعلیم فرماتے رہے۔

جب سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کھلے طور دعوت اسلام کا حکم دیا تو آقا دوجہاں ﷺ نے قبائل قریش کو نام بنام کوہ صفا پر پکارا۔ جب ساری قوم جمع ہو گئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہدوں کہ ایک بہت بڑا لشکر تمہارے اوپر حملہ کرنے کو تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرلو گے؟ سب نے کہا ضرور کریں گے کیونکہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سب باتیں سچی دیکھی ہیں [1]۔

آقا ﷺ کی شان ہی نرالی ہے، آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ ﷺ کی شرافت، سچائی و دیانت پر انگلی نہ اٹھا پائے۔ اس مقدس و محترم ہستی ﷺ کے زیر سایہ اور تربیت یافتہ ساتھیوں کی سچائی کے معیار کا اندازہ مرزا صاحب کی زبانی سن لیجیے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ [2] انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا قران عظیم شاہد ہے اور انبیاء علیہم السلام نے کبھی کوئی بات خود سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ سے منسوب نہ فرمائی۔ سیدنا محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک، سچی، معطر و مبارک زندگی ملاحظہ کیجئے کہ ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سچے ہونے کا اعتراف مرزا جی کے زبان سے نکلا۔ نبی کریم ﷺ کے شاگرد جب اس درجہ پر ہیں تو سوچیئے نبی محترم ﷺ کا درجہ کیا ہوگا۔

جیسا کہ سورۃ لقمان۔ آیۃ 34 اور صحیح بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عمر سے متعلق خبر صرف اللہ تعالیٰ عزوجل کے پاس ہے۔ لہٰذہ ایسے موضوع کو اپنے سچ اور جھوٹ کا معیار بنانے والا قرآن و حدیث کی تعلیم سے قطعاً نابلد ہے۔ ایسا شخص جو اس موضوع کو معیار حق و صداقت بنائے پھرے اس کے قدم پھر ایک بات پر نہیں رکھتے، اس کے کلام میں تناقضات کی بھرمار ہوتی ہے۔ یہی حال مرزا غلام احمد قادیانی کا ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری: حدیث نمبر 1971

[2] ذکر حبیب۔ از مفتی صادق۔ صفحہ 220

دعوی جات کی میدان میں شاید ہی دنیا کا کوئی فرد مرزا جی کی ہمسری کا دعوی کر سکے پیش گوئیاں بھی اکثر ایسی مضحکہ خیز کہ سن کر پیٹ میں بل پڑ جائیں اور اس پر طرہ یہ کہ مرزا جی کے دعوی جات کی طرح اس کی پیش گوئیاں بھی مضحکہ خیز اور ناکام رہیں۔ پڑھنے والے یقینا حیرت کا اظہار کریں گے کہ بنا کسی ثبوت و دلیل کے یہ بات کہنا مناسب نہیں۔ تو یقین کیجئے مرزا صاحب کی تمام پیشگوئیوں کو پر کھا گیا اور نتیجہ جو نکلا اس کا لب لباب یہ ہے کہ مرزا صاحب محض اندازوں اور اخبار میں دی گئی خبروں کے ذریعے پیشگوئی کرتے تھے۔ کسی دشمن کو کوئی تکلیف پہنچے یا کسی ہمنوا کو کوئی خوشی، حتی کے ہمنواؤں کی موت تک کو اپنی پیشگوئی قرار دیا۔ مرزا صاحب کے پیروکار چونکہ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں تو اس مناسبت سے ان کی بات بھی ماننی چاہیے۔ اور جو کچھ مرزا صاحب لکھ رہے ہیں پیش گوئیوں کی نسبت اور اپنے سچے ہونے کا جو پیمانہ دے رہے ہیں اسی کے مطابق انھیں جانچیں ورنہ اقرار کریں کہ وہ مرزا صاحب کو اس بات میں سچا نہیں سمجھتے اور انھوں نے اپنا جو معیار قائم کیا ہے وہ محض دروغ گوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل انبیاء کرام سے کئے گئے وعدہ کا ذکر ان الفاظ میں قران عظیم میں فرما رہے ہیں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ[1]

"سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کریگا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے۔"

مرزا صاحب بھی اپنی کتاب چشمہ معرفت میں لکھتے ہیں۔

"ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو۔[2]"

کشتی نوح میں لکھتے ہیں۔

"ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں۔[3]"

آیئے اب ذرا مرزا صاحب کی اپنی پیش گوئیوں سے متعلق تحریر دیکھیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیشگوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔[4]"

---

1 سورۃ ابراہیم 8:47

2 روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ:۔ جلد 23 صفحہ 91

3 روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 5 صفحہ 19

4 روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 5 صفحہ 288

درج بالا تحریر کے بعد کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے سچے یا جھوٹے ہونے کا پیمانہ اپنی پیشگوئیاں رکھی ہیں۔ اب اگر کوئی فرد مرزا صاحب پر اعتراض کرے اور مرزا صاحب کی کسی پیشگوئی پر بات کرنا چاہے تو مرزائی سیخ پا ہونے اور سچے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضول و بے بنیاد الزامات لگانے اور مرزا صاحب کی پیشگوئی کو مضحکہ خیز تاویلات و طفل تسلیوں کی بجائے ٹھوس شواہد کے ساتھ سچا ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہ تو ان کے منہ بولے نبی کا کہنا ہے کہ اس کی پیشگوئی ہی اس کے سچے یا جھوٹے ہونے کا اعلان ہے۔ مرزا صاحب اپنے انہی خیالات واعلان کو تقویت دینے کے لئے ایک اور جگہ رقمطراز ہیں۔

"پھر اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔[1]"

لیجئے قارئین اب تو اس بات میں چوں چرا اس کی گنجائش ہی نہ رہی۔ اب مرزا صاحب کی ان تمام باتوں کے بعد ان کی پیشگوئی اگر جھوٹی ثابت ہو تو مرزا صاحب کے پیروکاروں کو لازما حق کی طرف رجوع کر لینا چاہیے اور مان لینا چاہیے کہ مرزا صاحب کاذب تھے۔ جیسا کہ اوپر قران وحدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ زندگی کتنی ہو گی اس کا حال سوائے اللہ تعالیٰ عزوجل کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور اس چیز یعنی عمر کو اپنے سچ اور جھوٹ کا معیار بنانے والا لازما قران وحدیث سے ناواقف ہو گا۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص اعلان کر دے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اتنی زندگی دی ہے اور وہ اتنے سال جئے گا تو لوگوں کو جستجو لگ جائے گی کہ دیکھیں آخر انجام کیا ہوتا ہے۔ مرزا قادیانی صاحب نے جب پے درپے پیشگوئیوں کی ناکامی دیکھی تو انھیں ایک نئی بات سوجھی۔ ایک ایسی بات جو تھی تو قران وحدیث کے خلاف لیکن مخالفین کا دھیان ہٹانے کے لئے اسے یہ اقدامات کرنے پڑے۔

مرزا جی نے اعلان کر دیا کہ "خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ تیری عمر اسی برس یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہو گی[2]"۔ مرزا صاحب کے اس قول سے ہی ثابت ہو رہا ہے کہ قران وحدیث بالکل صحیح ہیں اور مرزا صاحب اس دعوے اور پیشگوئی میں بالکل غلط ہیں۔ پیشگوئی پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ خبر میں تین باتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ یعنی اسی برس۔ کم یا زیادہ۔ قارئین کرام اس سے قبل ہم لکھ آئے ہیں کہ مرزا جی محض اندازوں سے پیشگوئی کرتے تھے تو یہ پیشگوئی بالکل اسی طرح کی ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ عالم الغیب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما رکھا ہے کہ کون کتنی عمر جئے گا۔ پھر یہ اسی برس کم یا زیادہ کی کونسی پخ لگائی تھی مرزا جی نے۔ یہ بات ظاہر

1۔ روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 17 صفحہ 461

[2] روحانی خزائن 12 جلد صفحہ 81

کرتی ہے کہ مرزا جی کم از کم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مرزا جی کو الہام یا وحی کرتے تھے کیونکہ ایک ہی قول میں تین قسم کی مخالف باتیں پائی جانا جبکہ اسے الہام کا درجہ دیا جائے یا وحی کا محض ذات باری تعالیٰ کی توہین ہے۔

مرزا صاحب نے اسی پر بس نہ کی۔ ان کا یہ قول بھی بدلتا گیا۔ اور یہ ظاہر کرتا گیا کہ ایسی مخدوش خبر کا دینے والا کم از کم ذات باری تعالیٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ پیشگوئی اعلان کر رہی ہے کہ عمر دینے والے کو ہی معلوم نہیں ہے کہ مرزا جی کتنے سال جئیں گے لہٰذہ ایسی خبر دینے والا اپنے عالم الغیب اور مختار کل ہونے کی تردید کر رہا ہے۔

مرزا صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ "خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ میں 80 برس یا دو تین برس کم یا زیادہ تیری عمر کروں گا[1]۔"

ملاحظہ کیجئے قارئین اس سے قبل مرزا جی نے جو اسی برس یا اس سے کچھ کم یا زیادہ کی پیشگوئی کی تھی اب یہاں بھی وہی سابقہ طرز اختیار کیا بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اب اس حساب سے مرزا جی کی عمر 80 سال ہوگی یا 78 سال یا 77 سال یا 82 سال یا 83 سال۔ یعنی ایک کنفرم بات معلوم نہ ہو سکی۔ یہ وعدہ دینے والی ذات بھی لازما اللہ تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی اطلاع عالم الغیب و مختار کل ہونے کی نفی ہے۔ مرزا صاحب کا یہ طرز عمل ایک جگہ رکھنے والا نہ تھا۔ ایک بات واضح ہو کہ مرزا جی نے ایک جگہ تحریر کیا ہے: "واضح ہو کہ شیطانی الہامات ہونا حق ہے۔"[2] مرزا صاحب رقمطراز ہیں کہ "پس جو شخص شیطانی الہام کا منکر ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیموں کا انکاری ہے اور نبوت کے تمام سلسلہ کا منکر ہے۔"[3] مرزا صاحب کی یہ متضاد و پل پل بدلنے والی پیشگوئی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ یہ الہام و وحی کم از کم رحمانی تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے ایک اور اعلان کر دیا۔ لکھتے ہیں۔

"ہم تجھے ایک پاک اور آرام کی زندگی عنایت کریں گے۔ 80 برس یا اس کے قریب قریب یعنی دو چار برس کم یا زیادہ ہے۔"[4] اتنے تناقضات کے بعد امیدِ آرام تو محض ایک لایعنی خواہش ہی محسوس ہوتی ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ ایک جھوٹ چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اب جھوٹے بولنے والا کس عذاب میں ہوتا ہے اور وہ کتنی متناقض باتیں بیان کرتا ہے یہ اس پیشگوئی سے صاف پتہ چل رہا ہے۔ اگر مرزا صاحب وہی ایک پیشگوئی فرما دیتے کہ 80 برس کچھ کم یا زیادہ تو شاید مرزا صاحب کے پیروکار کوئی جائے پناہ ڈھونڈ پاتے۔ مگر پے در پے متناقض پیشگوئیاں

---

[1] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 17 صفحہ 44

[2] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 13 - ضرورۃ الامام: صفحہ 483

[3] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 13: صفحہ 488۔

[4] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 17 صفحہ 69

وعدوں نے انھیں کہیں کا نہ رکھا۔ ایک ہی پیشگوئی میں کئی متناقض باتیں انسان کی سچائی کا بھرم کھول دیتی ہے اور اس کی اصلیت ظاہر کر دیتی ہے۔

مرزا صاحب کا یہ اعلان یا ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا پر ایک نظر ڈالنے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مرزا صاحب کی **عمر 80 برس، یا 78 برس یا 76 برس یا 82 برس یا 84 برس** ہوگی۔ ایک ہی قول میں مزید **پانچ مخالف قول**۔ کیونکہ یہ بات تو ایک ادنی کلاس کا طالبعلم بھی جانتا ہے کہ **80، 78، 76، 82 اور 84** میں فرق موجود ہے اور یہ سب ایک نہیں ہو سکتے۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں مختلف روپ دھارتی رہیں۔ مرزا جی کو الہام کرنے والا مرزا جی سے اٹھکیلیاں کرتا رہا۔ ان کے قدم ایک جگہ ٹکنے نہ دیئے۔ مرزا جی کی ایک اور تحریر اس بات کی عکاس ہے۔

"خدا تیری عمر دراز کرے گا۔ 80 برس یا پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم[1]۔"

قارئین کرام دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے کیا مرزا جی کو ایسی خبریں اور وعدے دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے؟ یعنی انھیں خبر دینے والا بار بار اپنی بات سے پھر رہا ہے۔ اپنے وعدوں سے مکر رہا ہے۔ پشیمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ خبر دینے والا غیر یقینی کیفیت کا شکار ہے۔ اب دوبارہ غور فرمائیں کہ مرزا جی کو جو خبر یا وعدہ دیا گیا ہے وہاں خبر دینے والا مزید شرمندگی کا باعث بن بھی رہا ہے اور بنا بھی رہا ہے۔ اس سے قبل دو یا تین سال کی اطلاع تھی اب یہ بڑھ کر چار یا پانچ سال تک پہنچ گئی یعنی **مرزا جی کی عمر 80 سال یا 75 سال یا 76 سال یا 85 سال یا 84 سال** ہوگی۔ مرزا جی کے الہام کنندہ کو یقیناً اپنی بات کا یقین نہ تھا تبھی تو مرزا صاحب کو مختلف اعداد شمار بتائے یا پھر مرزا صاحب ہی علم نجوم میں کچھ تھوڑا دسترس رکھتے تھے کہ ایسے دعوے جات کرتے رہے۔ بہرحال مرزا صاحب کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ مرزا صاحب کی ذہنی حالت دیکھیں کہ اسی ایک ہی پیشگوئی کو کتنا توڑ مروڑ کے پیش کرتے رہے۔ انھیں پتہ ہی نہیں چل پا رہا تھا کہ اس سے قبل انھوں نے کیا دعوی لکھا تھا اور اب اسی دعوے میں کتنا تناقض پیدا ہو رہا ہے۔ کوئی بھی باشعور و عقلمند شخص ایسے معاملات کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا لیکن مرزا صاحب ایسا کرتے رہے۔ مرزا صاحب کا یہ افتراء علی اللہ جاری رہا۔ مرزا جی مدعی نبوت و رسالت جنھیں انگریز کے خود کاشتہ پودا ہونے اور اس کے کہلوانے کا اعزاز بھی حاصل ہے کی پیشگوئی کی پیوند کاری ہوتی رہی۔ نہ جانے وہ کونسے عوامل تھے جن کے تحت مرزا صاحب کو یہ کئی عدد مختلف سال کی پیشگوئی کرنی پڑی۔ مرزا صاحب کا ایک اور غیر رحمانی الہام پڑھیں۔

---

[1] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 22 صفحہ 100

"خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسّی ۸۰ برس کی ہو گی اور یا یہ کہ پا۵نچ چھ ۶ سال زیادہ یا پا۵نچ چھ ۶ سال کم"[1]

ہمارا دعوی ہے کہ یہ صریح الفاظ اللہ تعالیٰ کے قطعاً نہیں ہو سکتے اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مرزا جی نے جو یلاش اور کالا کالو نام والے خدا کی بات کی ہے اس کا کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ بت پرست تو بتوں کو بھی خدا کہتے ہیں۔ مرزا صاحب کو شاید معلوم ہی نہیں کہ صریح الفاظ کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ **نیز یہ بات پھر سے مبہم ہے کہ عمر 80 برس یا 5 سال کم یا 6 سال کم یا 5 سال زیادہ یا 6 سال زیادہ۔** یہ کیسے صریح الفاظ ہیں مرزا صاحب کا کوئی پیروکار اس کی وضاحت کر دے۔ پھر وضاحت کرنا چاہوں گا کہ الہام یا اطلاع دینے والے کو یقیناً تردد ہے اسے پتہ نہیں چل پا رہا کہ مرزا قادیانی صاحب کی عمر 80 سال ہو گی یا 75 سال 74 سال یا پھر 85 سال ہو گی یا 86 سال۔ یہ الہام نہیں تماشہ لگ رہا ہے۔ مرزا قادیانی صاحب کو اگر قران و حدیث کی خبر ہوتی تو وہ کم از کم اس گورکھ دھندے میں قدم رکھنے سے گریز کرتے۔ ہزار بار سوچتے۔ کیا مرزا قادیانی صاحب کے اس طرز عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے الہام کرنے والے کو جھوٹا ثابت کرتا چلا آ رہا ہے اور خود بھی اپنے جھوٹ پر مہر ثابت کرتا جا رہا ہے۔ عجیب تر بات ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کا نام لیکر ایک ہی پیشگوئی اور قول میں درجن بھر تضادات پیدا ہو رہے ہیں۔ اسے خدا تعالیٰ پر افتراء نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ یہ الہام بازی کا کاروبار جس میں ہزارہا جھوٹ ہوں کسی شریف آدمی کا کام قطعاً نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چُہتر ۷۴ اور چھیا ۸۶ سی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ بہر حال یہ میرے پر تہمت ہے کہ مَیں نے اس پیشگوئی کے زمانہ کی کوئی بھی تعیین نہیں کی[2]۔ لیجئے جناب مرزا صاحب کے قلم کے عجائبات ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا صاحب نے تنگ آ کر مزید ایک پیشگوئی جڑ دی۔ درج بالا متعدد تحریریں اپنے ہی قلم سے جھوٹی ثابت کر دیں۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی عمر 74 اور 86 برس کے درمیان ہو گی اور کم ہونے پر مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہو جائے گی۔ مرزا صاحب نے جو اپنی عمر سے متعلق مختلف دعوی جات کئے ان کی فہرست پر نظر ڈالیں۔

80 برس یا کچھ کم یا کچھ زیادہ۔ 80 برس یا دو تین برس کم یا زیادہ۔ 80 برس یا اس کے قریب قریب یعنی دو چار برس کم یا زیادہ۔ 80 برس یا پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم۔ 80 برس یا پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔ چہتر اور چھیاسی کے درمیان۔ یعنی۔ مرزا صاحب نے اپنی عمر کے متعلق

---

[1] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 21- براہین احمدیہ حصہ پنجم: صفحہ 258

[2] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد ۲۱- براہین احمدیہ حصہ پنجم: صفحہ 259

مختلف اوقات میں درج ذیل پیشگوئیاں کیں۔ یعنی ہر بار پیشگوئی بدلتی رہی۔۔80 یا 78۔ یا 77۔ یا 82- یا 83 یا 76 یا 75 یا 76 یا 84 یا 85 یا 74 یا 86۔ تقریبا 11 مختلف سال۔

ملاحظہ کیجئے کہ وجہ کیا تھی؟ علم نجوم، غیر رحمانی الہامات یا مراق؟ یاد رہے کہ مرزا صاحب نے اپنے مراق کا خود بھی ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ **"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے**[1]۔" مزید لکھتے ہیں "۔ **صاف ظاہر ہے کہ کسی سچیار اور عقلمند اور صاف دل انسان کی کلام میں ہر گز تناقض نہیں ہوتا**[2]۔" یہ دو تحریریں پڑھنے کے بعد قارئین کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے درج بالا مختلف سال کس کھاتے میں جاتے ہیں۔ کیا یہ واضح تناقض نہیں؟

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے پیروکار اول تو اس پیشگوئی سے جان چھڑاتے ہیں اور اس موضوع کو ایسے ہی ناپسند کرتے ہیں جیسا کہ مسلمان جھوٹے مدعیان نبوت کو۔ لیکن بالفرض محال اگر وہ جسارت کر لیں اور اس موضوع پر بات کرنے کو تیار ہو جائیں تو مرزا صاحب کی ہی تحریروں کو خاطر میں نہیں لاتے مرزا صاحب کی اپنی عمر کی نسبت تحریروں کو محض اندازہ قرار دیتے ہیں اور اپنی وضع کئی گئی منگھڑت تاریخ کو وہ مرزا قادیانی صاحب کی تحریروں پر فوقیت دیتے ہیں اور ایک لحاظ سے مرزا جی کی تکذیب کرتے ہیں۔ مرزا جی کی پیش گوئی کو سچا ثابت کرنے کی جستجو میں وہ سب سے پہلے مرزا جی کو ہی جھوٹا قرار دیتے ہیں یعنی ان کی تحریروں پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی مختلف تحریریں قطعا بھی اس کے پیروکاروں کے دعوے سے میل نہیں کھاتیں اور ایک دوسرے کی تکذیب میں کھڑی نظر آتی ہیں۔۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ **مرزا قادیانی صاحب نے اپنی پیدائش کا تعین 1839 اور 1840 کیا تھا**۔ اور یہ تعین بعض اہم واقعات جو ان سالوں میں پیش آئے کی نشاندہی سے کیا اور مرزا صاحب کے نزدیک ان دو سالوں میں سے کسی ایک سال میں ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ مرزا قادیانی صاحب اور انکے رفقاء کی چند تحریریں پیش خدمت ہیں۔

1. میری پیدائش ۱۸۳۹ یا ۱۸۴۰ میں سکھوں کے آخری وقت ہوئی ہے۔[3]

---

[1] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 21- براہین احمدیہ حصہ پنجم: صفحہ 275

[2] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 10-: صفحہ 142

[3] خزائن ص 177 جلد 13 حاشیہ: ص 146۔

2. اور میں ۱۸۵۷ میں سولہ برس یا سترہویں برس میں تھا۔[1]
3. میری عمر قریباً چونتیس پینتس برس کی ہوگی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔[2]
4. "سن پیدائش حضرت صاحب مسیح موعود و مہدی 1839۔[3]
5. ۱۶ مئی ۱۹۰۱ حضرت مسیح موعود کا بیان جو آپ نے عدالت گورداسپور میں بطور مدعا علیہ مرزا نظام الدین کے مقدمہ بند کرنے راستہ شارع عام جو مسجد کو جاتا تھا میں حسب ذیل دیا اللہ تعالی حاضر ہے میں سچ کہونگا میری عمر ساٹھ سال کے قریب ہے۔[4]
6. حضرت مسیح موعود فرماتے تھے کہ جب سلطان احمد پیدا ہوا اس وقت ہماری عمر صرف سولہ سال کی تھی۔[5]
7. **نوٹ:۔** خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب 1913 بکرمی یعنی 1856 عیسوی میں پیدا ہوئے تھے۔[6]
8. مشری اعلی، اب جناب کی عمر کیا ہوگی؟ حضرت اقدس 65 یا 66 سال۔[7]
9. اور اب حضرت کی عمر 65 سال کی ہے۔[8]

اس طرح کے اور بہت سی تحریرات قادیانی لٹریچر کی زینت ہیں جو مضمون کی طوالت کے پیش نظر لکھنے سے اجتناب برتا جارہا ہے۔ حوالہ مانگنے پر وہ تحریرات پیش کر دی جائیں گی۔

مرزا صاحب اور انکے رفقاء کی ان تحریروں کے جواب میں قادیانی جماعت کا موقف عجیب ہے۔ اور شاید یہ دنیا کا واحد گروہ ہے جو خود کو مذہبی بھی کہتا ہے اور ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بھی مانتا ہے لیکن اس کی نہیں مانتا بلکہ اپنا ایک وضع کردہ فارمولہ پیش کر کے مرزا صاحب کی تحریر کو بعینہ ویسے ہی ردی میں پھینک دیتے ہیں جیسا دعوی مرزا قادیانی صاحب نے احادیث مبارکہ کے متعلق کیا تھا۔ مرزا صاحب کو اپنے الہام کے خلاف حدیث گوارہ نہ تھی تو اس کی اولاد اور دیگر پیروکاروں کو اپنے فارمولے کے خلاف مرزا صاحب کی تحریریں گوارہ نہیں۔ عجب

---

[1] حاشیہ روحانی خزائن صفحہ 177 جلد 13
[2] کتاب البریہ صفحہ 159 حاشیہ روحانی خزائن صفحہ 192 جلد 13 حاشیہ
[3] "کتاب نور الدین، صفحہ نمبر 252 از حکیم نور الدین
[4] کتاب منظور الہی ص 241
[5] سیرت المہدی ص 255 جلد اول، کتاب منظور الہی ص 343
[6] سیرت المہدی صفحہ 196 جلد 2 روایت 467
[7] اخبار الحکم جلد 8 نمبر ۹ مورخہ 31 مارچ 1904 ص 2
[8] اخبار الحکم مورخہ 10 تا 17 نومبر 1904 ص 13

مکافات عمل ہے۔ مرزا صاحب کی تحریروں کے جواب میں مرزائی جماعت کا مؤقف عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اندازہ سے اپنی عمر لکھی ہے لیکن یہ موقف اپناتے ہوئے مرزائیوں کو ماتم کرنا چاہیے کہ مرزا صاحب تو واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ خدا مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خطا پر نہیں رہنے دیتا۔ پھر یہ ایک پیشگوئی تھی۔ مرزا صاحب کے سچے اور جھوٹے ہونے کا مدار اس پر تھا۔ اور مرزا صاحب کی تحریر تھی کہ اگر سو میں سے اس کی ایک بھی پیشگوئی غلط ثابت ہوئی تو وہ جھوٹا ہوگا اور وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ حیرت ہے پھر بھی خدا نے اسے اس غلطی پر متنبہ نہ کیا۔ اسے نہ بتایا کہ تم جو 1839 یا 1840 کا راگ الاپ رہے ہو وہ صحیح نہیں بلکہ 13 فروری 1835 ہے۔ مگر مرزا صاحب کے پیروکار شاید اس بات سے سروکار نہیں رکھتے بلکہ انھیں اپنا موقف سچا ثابت کرنے کے لئے چاہے کسی بھی حد تک جانا پڑے دریغ نہیں کرتے۔ مرزا صاحب کے پیروکاروں کا ہمیشہ یہ اصرار رہا ہے کہ مرزا غلام احمد کی تاریخ پیدائش 13 فروری 1835 بنتی ہے اور اس پر وہ مرزا صاحب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن چودھویں رات کو پھاگن کے مہینے میں پیدا ہوا۔ تحقیق کرنے پر مرزا صاحب کی تحریر میں پھاگن کا کوئی حوالہ نہ ملا اور مرزا صاحب کے پیروکاروں سے حوالے کا مطالبہ کیا گیا مگر حوالہ ہوتا تو ملتا۔۔ مرزا صاحب کے قریبی ساتھی مفتی صادق قادیانی کی کتاب ذکر حبیب کے صفحہ 189 (طبع جدید) میں پھاگن کے مہینہ کا ذکر بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور یہ چیلنج کرتے ہیں کہ پھاگن کا مہینہ جمعہ کا دن اور چودھویں رات 13 فروری 1835 کے علاوہ کسی ذکر کئے گئے سال میں نہیں آتا۔

بقول مزا صاحب "یہ عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں رات میں پیدا ہوا[1] ۔" مفتی صادق نے اپنی کتاب ذکر حبیب میں پھاگن کے اضافہ کے ساتھ یہ تحریر کیا ہے۔ "حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اور پچھلی رات کا وقت تھا۔[2]

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی جماعت نے مرزا صاحب کی تمام تحریرات کو پس پشت ڈال کر ایک نئی راہ کھولی اور تحقیق کے میدان میں گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔ اور لحہ بہ لحہ بدلتے بیانات کے بعد آخر کار مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی عمر متعین کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مرزا صاحب کے منجلے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے اپنی کتاب سیرت المہدی میں لکھتے ہیں:

---

[1] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 17: صفحہ 281

[2] ذکر حبیب صفحہ 189 از مفتی صادق

"{613} بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش اور عمر بوقت وفات کا سوال ایک عرصہ سے زیرِ غور چلا آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ حضور کی تاریخ پیدائش معین صورت میں محفوظ نہیں ہے اور آپ کی عمر کا صحیح اندازہ معلوم نہیں[1] کیونکہ آپ کی پیدائش سکھوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جبکہ پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ البتہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض ایسے امور بیان فرمائے ہیں جن سے ایک حد تک آپ کی عمر کی تعیین کی جاتی رہی ہے۔ ان اندازوں میں سے بعض اندازوں کے لحاظ سے آپ کی پیدائش کا سال ۱۸۴۰ء بنتا ہے۔ اور بعض کے لحاظ سے ۱۸۳۱ء تک پہنچتا ہے۔ اور اسی لئے یہ سوال ابھی تک زیرِ بحث چلا آیا ہے۔ کہ صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے؟۔ مَیں نے اس معاملہ میں کئی جہت سے غور کیا ہے اور اپنے اندازوں کو سیرۃ المہدی کے مختلف حصوں میں بیان کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ گو مجھے یہ خیال غالب رہا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش کا سال ۱۸۳۶ء عیسوی یا اس کے قریب قریب ہے۔ مگر ابھی تک کوئی تاریخ معیّن نہیں کی جا سکی تھی لیکن اب بعض حوالے اور بعض روایات ایسی ملی ہیں۔ جن سے معیّن تاریخ کا پتہ لگ گیا ہے۔ جو بروزِ جمعہ ۱۴/ شوال ۱۲۵۰ء ہجری مطابق ۱۳/ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق یکم پھاگن سمہ ۱۸۹۱ بکرمی ہے اس تعیین کی وجوہ یہ ہیں:

1. حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعیین اور تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ کہ میری پیدائش جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی۔[2]
2. ایک زبانی روایت کے ذریعہ جو مجھے مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کے واسطہ سے پہنچی ہے اور جو مفتی صاحب موصوف نے اپنے پاس لکھ کر محفوظ کی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک دفعہ بیان فرمایا تھا کہ ہندی مہینوں کے لحاظ سے میری پیدائش پھاگن کے مہینہ میں ہوئی تھی

مَیں نے گذشتہ جنتریوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور دوسروں سے بھی کرایا ہے۔ تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ پھاگن کے مہینہ میں جُمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ کِس کِس سَن میں اکٹھے ہوتے ہیں اس تحقیق سے یہی ثابت ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش

---

[1] دیکھو ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۱۹۳

[2] دیکھو تحفہ گولڑویہ بار اوّل صفحہ ۱۱۔ حاشیہ

14/شوال 1250ء ہجری مطابق 13/فروری 1835 عیسوی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون میری طرف سے **اخبار الفضل مورخہ ۱۱/اگست ۱۹۳۶ء** میں بھی شائع ہو چکا ہے۔"

قادیانی خلفاء اور باقی ماندہ جماعت کی 13 فروری 1835 کی اس تحقیق کا جواب ان شاء اللہ مکمل تحقیق کے ساتھ درج کیا جاتا ہے اور اہل بصیرت کو دعوت فکر دی جاتی ہے۔

مرزا صاحب اپنی کتاب تریاق القلوب میں لکھتے ہیں "چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۲ میں میری نسبت یہ الہام ہے جس کے شائع کرنے پر بیس برس گذر گئے اور وہ یہ ہے **ولقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖ اَفَلَا تعقلون** یعنی ان مخالفین کو کہہ دے کہ میں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں۔[1] " چند سطر نیچے اسی کتاب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"پھر جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آپہنچا۔"[2]

واضح رہے کہ یہ کتاب تریاق القلوب 1902 میں تصنیف و شائع ہوئی جس کا ثبوت سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ 447 میں بھی ملتا ہے۔ یعنی اس وقت مرزا جی کی عمر 60 سال تھی۔ اسی بات کو اگر ایک اور طریق سے دیکھا جائے تو سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ 444 اور دوست محمد شاہد مورخ احمدیت کی کتاب سوانح حضرت مسیح موعود صفحہ نمبر 9 میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے 1882ء میں مامور ہونے کا اعلان کیا تھا اور اس ہی برس میں براہین احمدیہ حصہ سوئم کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔

مرزا صاحب نے واضح لکھا ہے کہ ماموریت کے وقت ان کی عمر 40 سال تھی اور ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے جنھوں نے سیرت المہدی تصنیف کی اور دوست محمد شاہد مورخ احمدیت کی کتاب سوانح حضرت مسیح موعود ان کے مطابق مرزا صاحب کو ماموریت کا الہام 1882 میں ہوا ہے۔ اس بیان کے مطابق مرزا صاحب 1882 میں 40 سال کے تھے لہذہ 1882 سے اگر چالیس سال نکال لئے جائیں تو مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش 1842 بنتی ہے جو مرزا صاحب کے ماننے والوں کے دعوی سے قطعا میل نہیں کھاتی۔

---

[1] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 15: صفحہ 283

[2] روحانی خزائن۔ کمپیوٹرائزڈ: جلد 15: صفحہ 283

Gregorian To Hijri Date Conversion[1]			
Month	**Day**	**Date**	**Year**
Feberary	Friday	25	1842
Muharram	Friday	14	1258

اس تحریر میں مرزا جی نے ایک اور بات بیان فرمائی کہ جہاں مرزا صاحب کی عمر 40 سال کی ہوئی اور وہ صدی کا سر تھا۔ سیرت المہدی اور قادیانی مورخ دوست محمد شاہد کے مطابق مرزا صاحب 1882 میں مامور ہوئے تھے اگر 25 فروری 1882 کو ہجری سال میں منتقل کیا جائے تو 6 ربیع الاول 1299 ہجری بنتا ہے یعنی صدی کا سر۔

اب ذرا مرزا صاحب کی جماعت کی مایہ ناز تحقیق **(یعنی جمعہ کا دن پھاگن کا مہینہ اور چاند کی چودہویں رات)** کا جائزہ لیتے ہیں، بجائے اس کے کہ ہم خود سے قیافہ شناسی کریں اور خیال آرائی کریں۔ مناسب ترین عمل یہ ہے کہ پرانی جنتریوں کی مدد سے یہ راز کھولا جائے۔ سلسلہ وار جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر 25 فروری 1842 کی تاریخ کو بغور پرانی جنتروں کی مدد سے بغور دیکھا جائے تو مندرجہ ذیل چیزیں اخذ ہوتی ہیں۔

- **25 فروری 1842**

1. پھاگن کا مہینہ (پھاگن 12 فروری سے 13-14 مارچ تک ہوتا ہے اس لیے 25 فروری پھاگن میں شمار ہوتا ہے)[2]
2. چاند کی چودہویں تاریخ (25 فروری 1842 کو محرم کی 14 تاریخ تھی)

[1] www.islamicity.org/hijri-gregorian-converter
[2] https://en.wikipedia.org/wiki/Nanakshahi_calendar

3. جمعہ کا دن (25 فروری 1842 کو جمعہ کا دن تھا۔)

As an example, June 8, 2020 CE is Nanakshahi 552. Is Based on Gurbani – **Month** Names are taken from Guru Granth Sahib. Contains 5 **Months** of 31 days followed by 7 **Months** of 30 days.

...

Months.

Name	Phagun
Punjabi	ਫੱਗਣ
Days	30/31
Gregorian Months	12 February – 13 March
Season	Himkar (late Winter/early Spring)

11 more columns

en.wikipedia.org › wiki › Nanakshahi_calendar

Nanakshahi calendar - Wikipedia

پھاگن کا مہینہ چاند کی چودویں تاریخ اور جمعہ کا دن یہ تینوں باتیں مشترک ہوں تب بھی تاریخ پیدائش کچھ یوں بنتی ہے۔ 25 فروری 1842ء۔

قرائین کرام قادیانی جماعت کی تحقیق 13 فروری 1835 کے مقابلے میں مرزا غلام قادیانی صاحب اپنی کتاب میں 1842 کے لیے اپنے الہام کو بنیاد بنایا، مرزا صاحب نے 1842 کے لیے اپنے مامور ہونے کو بنیاد بنایا، مرزا صاحب نے 1842 کے تائید میں اپنے صدی کے سر پر مامور ہونے کو بنیاد بنایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش 1842 ہی ہے **اور مرزا صاحب کی عمر قمری مہینے کے اعتبار سے چھیاسٹھ سال تین مہینے اور ایک دن بنتی ہے۔** اور یوں مرزا صاحب کی وہ پیشگوئی جو عمر سے متعلق تھی بالکل بھی پوری نہیں ہوتی جس کے مطابق مرزا صاحب کو کم از کم بھی چوہتر 74 سال جینا تھا۔

قارئین کرام پر واضح ہو کہ اوپر اس پر بحث ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قران عظیم میں فرمایا کہ "

فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ

"سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کریگا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے۔"

اور مرزا صاحب کی یہ تحریریں بھی دیکھیں۔

مرزا صاحب بھی اپنی کتاب چشمہ معرفت میں لکھتے ہیں۔

"ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو۔[1]"

کشتی نوح میں لکھتے ہیں۔

"ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں۔[2]"

اسلامی عقیدے اور مرزا صاحب کی تحریر واضح کرتی ہے کہ انبیاء کرام کی پیشگوئیاں نہیں ٹلتیں اور اللہ تعالیٰ جو وعدہ اپنے نبی سے فرمادیتے ہیں پھر اس کے خلاف نہیں کرتے۔ اور آخر میں مرزا صاحب کی یہ تحریر "پھر اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں"۔[3] پر غور کیجئے۔ سچائی کا تقاضا ہے کہ جو بات صحیح نہیں اس کی مخالفت ضرور ہونی چاہیئے۔ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بری طرح ناکام ہوئی اور اس میں دیئے گئے کم از کم گیارہ مختلف سالوں میں سے کسی ایک کے برابر بھی مرزا صاحب کی عمر نہ ہو سکی۔

مرزا صاحب کے پیروکاروں سے التجا ہے کہ وہ اپنا دل ٹٹولیں اپنے ضمیر کو آواز دیں اور بالکل غیر متعصب ہو کر فیصلہ کریں کہ سچ کیا ہے؟ معاملہ ایمان کا ہے۔ قبر و آخرت کا ہے۔ دنیاوی زندگی تو کٹ ہی جاتی ہے کسی کو چار دن زندگی ملتی ہے تو کوئی سو سال جی لیتا ہے لیکن آخرت کی زندگی تو لامحدود ہے۔ مرزا صاحب کی یہ دو تحریریں آخر میں مرزا صاحب کے پیروکاروں کے سامنے رکھ کر ان سے فیصلہ چاہوں گا۔

"بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیشگوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔[4]

پھر اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔[5]"

دعا ہے اللہ تعالیٰ دلوں کی گرہیں کھول دے اور حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام علی من اتبع الہدی

---

[1] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ:۔ جلد 23 صفحہ 91

[2] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 5 صفحہ 19

[3] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ جلد 17 صفحہ 461

[4] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 5 صفحہ 288

[5] روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ: جلد 17 صفحہ 461

مرزا غلام احمد قادیانی نے 15 اپریل 1907 کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کے حوالے سے ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا:

''مولوی ثناء اللہ صاحب (امرتسری) کے ساتھ آخری فیصلہ''

اس اشتہار میں مرزا غلام احمد قادیانی نے خدا سے دعا کرتے ہوئے کہا:

"اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین"[2]!

اس اشتہار کے شائع ہونے کے گیارہ ماہ بعد 26 مئی 1908 کو مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مفتری ہونے کی ایک نہایت ہی واضح دلیل تھی لیکن مرزا قادیانی کے مریدوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ مرزا قادیانی کی یک طرفہ دعا نہیں تھی بلکہ دعائے مباہلہ تھی اور چونکہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے اس دعا کو منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے مباہلہ منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم اس بات پر دلائل دیں کہ یہ ایک یکطرفہ دعا تھی۔ پہلے آخری فیصلہ والا اشتہار مکمل دیکھ لیں۔

''مولوی ثناء اللہ صاحب (امرتسری) کے ساتھ آخری فیصلہ''

---

[1] احمد محمود: ریسرچ ختم نبوت

[2] مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ، (578، 579 تین جلدوں والا ایڈیشن)

’’بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیحِ موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں، محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیحِ موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے **تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں** کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین! مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین! یا رب العالمین! میں ان کے ہاتھوں سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے انہوں نے اپنی تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لاتقف لیس بہ علم پر بھی عمل نہیں کیا اور مجھے تمام دنیا سے بدتر سمجھ لیا اور دور دور تک ملکوں میں میری نسبت

یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص در حقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انھیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تُو نے اے میرے آقاؔ اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں در حقیقت مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین!! ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

الراقم

عبد اللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایّد

مرقوم 15 اپریل 1907ء[1]

آگے بڑھنے سے پہلے مختصر طور پر اس اشتہار کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں:

17 مارچ 1907 کو الحکم اخبار میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا مفہوم تھا کہ اگر ثناء اللہ صاحب نے مرزا قادیانی کا کوئی بھی خارق عادت نشان نہیں دیکھا تو قسم کھائے۔

اس کا جواب 29 مارچ 1907 کے اخبار اہل حدیث میں ثناء اللہ صاحب میں دیا کہ وہ قسم کھانے کو تیار ہیں مگر یہ بتا دیا جائے کہ اس قسم کا نتیجہ کیا ہو گا؟

ثناء اللہ صاحب کی اس بات پر اخبار بدر 4 نے اپریل 1907 کو بحکم مرزا غلام احمد قادیانی کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے کہ آپ قسم کھائیں۔

---

[1] مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 705، 706 طبع جدید از مرزا قادیانی

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے رحم کرتے ہوئے کہا ہے:

”ثنا اللہ صاحب چند روز انتظار کریں کیونکہ حقیقت الوحی چھپ کر تیار ہونے والی ہے لہذا پہلے ثنا، اللہ صاحب اس کتاب کو اول و آخر تک پڑھیں لیں اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار ہو گا کہ ہم نے ثنا، اللہ کا چیلنج مباہلہ قبول کر لیا ہے اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ اس کتاب میں درج تمام الہامات من جانب اللہ ہیں اور اگر یہ ہمارا افترا، ہے تو لعنت اللہ علی الکذبین۔ کتاب اور اشتہار چھپنے کے بعد ثنا، اللہ صاحب اسے پڑھ لیں اور ایک اشتہار قسم کے ساتھ شائع کر دیں کہ میں نے اول و آخر اس کتاب کو پڑھا ہے اور اس میں مندرج الہامات اللہ کی طرف سے نہیں اور ساتھ ہی لکھ دیں کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو لعنت اللہ علی الکذبین۔ اور ساتھ ہی اپنے لئے جو عذاب خدا سے مانگنا چاہیں مانگ لیں۔[1]“

اس کا جواب ثنا، اللہ صاحب نے 19 اپریل 1907 کو دیا:

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے حقیقت الوحی کے چھپے بغیر ہی از خود 15 اپریل 1907 کو ثنا، اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کا اشتہار شائع کر دیا۔

حالانکہ پہلے حقیقت الوحی چھپنی تھی اس میں مرزا قادیانی نے قسم کھانی تھی اس کے بعد ثنا، اللہ صاحب نے پوری کتاب پڑھنے کے بعد قسم کھانی تھی۔

اسی لئے جب حقیقت الوحی چھپ گئی تو ثنا، اللہ صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کو 3 جون 1907 کو خط لکھا:

”ان کو حقیقت الوحی بھیج دی جائے۔“

جس کا جواب مرزا صاحب کے مامور محرر ڈاک مفتی محمد صادق نے درج ذیل خط لکھا اور اخبار بدر میں شائع بھی کر دیا:

”آپ کا کارڈ مرسلہ 3 جون 1907 حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا جس میں آپ نے 4/ اپریل 1907 کے بدر کا حوالہ دے کر جس میں قسم کھانے والا مباہلہ بعد حقیقۃ الوحی موقوف رکھا گیا ہے حقیقۃ الوحی کا ایک نسخہ مانگا۔ اس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقۃ الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا جبکہ آپ کو مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا۔ (اب) مشیت ایزدی نے آپ کو دوسری راہ سے پکڑا اور حضرت حجۃ اللہ کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا۔ اس واسطے مباہلہ۔ کے ساتھ جو شروط تھے وہ سب کے سب بوجہ نہ قرار پانے مباہلہ کے منسوخ ہوئے۔ لہذا آپ کی طرف کتاب بھیجنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔“

---

[1] اخبار بدر 4 اپریل 1907

یہ خط اپنے مضمون میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ آخری فیصلہ کا اشتہار ہرگز ہرگز مباہلہ کا اشتہار نہیں تھا۔

اس میں یہ بھی صاف مذکور ہے سلسلہ مباہلہ ختم ہو کر مرزا قادیانی نے خدا کے القاء سے یہ دعا کی تھی۔

اگر آخری فیصلہ والا اشتہار مباہلہ ہوتا تو مولانا ثناء اللہ کو جو جواب دیا گیا اس میں کہا جاتا کہ مرزا صاحب تو مباہلہ کر چکے لیکن آپ نے اس سے صاف انکار کر دیا اس کو تسلیم نہیں کیا لہذا اب یہ مباہلہ منسوخ ہو چکا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اس دعا کی قبولیت کا الہام بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو ہو گیا تھا۔

”۔یہ زمانہ کے عجائبات ہیں۔ رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک ایک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا کہ اجیب دعوۃ الداع۔ صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔“[1]

یہ کہنا کہ یہ مفتی صاحب کی اپنی ذاتی رائے تھی اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ثناء اللہ صاحب کا خط مرزا قادیانی کے نام تھا جو ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ کسی امتی کا یہ حق نہیں کہ وہ اپنے نبی کے ہوتے ہوئے اس کے خط کا جواب از خود بغیر اجازت کے دے، اور وہ بھی ایسے امر میں کہ اس کے نبی نے سلسلہ مباہلہ شروع کر رکھا تھا اور اس کا امتی بغیر اجازت اسے منسوخ کر دے، پھر یہ خط اخبار بدر قادیان میں چھپا بھی اگر یہ محض مفتی صادق کی ذاتی رائے تھی اور مرزا قادیانی کی اجازت کے بغیر تھی تو مرزا قادیانی کو اس کی تردید کر دینی چاہئیے تھی۔ پھر مفتی محمد صادق محض اخبار بدر کا ایڈیٹر نہیں تھا بلکہ مرزا قادیانی کا محرر ڈاک بھی تھا، مرزا صاحب کا صحابی بھی تھا اور ان کی جماعت کا مفتی بھی تھا۔ لیکن مرزا قادیانی نے اس خط کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ ہی کوئی وضاحت کی، لہذا یہ خط مرزا صاحب کی منظوری سے لکھا گیا تھا۔

پھر اخبار بدر میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں یہ الفاظ درج تھے:

---

[1] ملفوظات جلد 9 صفحہ 268

"حضرت اقدس مسیح موعود نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان کا اشتہار دے دیا جس میں محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا گیا ہے نہ کہ مباہلہ کیا گیا ہے"[1]

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے اس کا بھی انکار نہیں کیا گیا۔

مولوی احسن امروہی صاحب نے بھی یہی بات کہی کہ "حضرت اقدس نے محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہا تھا۔۔"[2]

سب سے بڑھ کر مرزا قادیانی کے اپنے الفاظ اس بات کے شاہد ہیں جو کہ اشتہار میں موجود ہیں کہ "بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں۔۔۔"

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ اشتہار مباہلے کے پس منظر میں تھا یا اس میں مباہلے کی دعوت دینی مقصود تھی تو اس کی عبارت یوں ہونے کی بجائے کہ (بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ...... اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔۔۔۔الخ) کچھ یوں ہوتی (بخدمت جناب مولوی ثناء اللہ صاحب۔۔۔۔ جیسا کہ ہمارے درمیان کچھ عرصہ سے مباہلے کی بات چل رہی لہذا میں اس اشتہار میں دعائے مباہلہ شائع کر رہا ہوں اب آپ بھی اس کے مقابل دعائے مباہلہ شائع کر دیں۔

پھر آخری فیصلہ کا اشتہار خود بھی نہایت واضح ہے کہ یہ یکطرفہ دعا تھی۔ پورے اشتہار میں کہیں بھی لفظ مباہلہ موجود نہیں۔

اس اشتہار میں پہلے مرزا صاحب نے ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی چیرہ دستیوں اور ان کے الزامات جو وہ ان پر لگاتے تھے کا ذکر کیا ہے، اور پھر لکھا کہ میں نے محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا ہے، اور پھر اللہ کے حضور ثناء اللہ صاحب کا شکوہ پیش کرتے ہوئے بطور مظلوم کے التجاء اور استغاثہ پیش کیا ہے، اور لکھا "میں خدا سے دعا کرتا ہوں۔۔۔۔ الخ"

---

[1] اخبار بدر 22 اگست 1907 صفحہ 8 کالم 1

[2] ریویو آف ریلیجن جلد 7 نمبر 6، 7 بابت جون وجولائی 1908 صفحہ 238

اس اشتہار کے آخر میں مرزا قادیانی نے ثناء اللہ صاحب سے درخواست کی کہ اسے اپنے اخبار میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں ۔اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ دعائے مباہلہ ہوتی تو مرزا قادیانی ہرگز ہرگز یہ نہ لکھتے کہ اس کے نیچے جو چاہو لکھ دو بلکہ لکھتے کہ میں نے تو دعا کر دی ہے اب تم بھی اس طرح کی دعا کر دو۔

یعنی مرزا قادیانی نے اس اشتہار کے حوالے سے ثناء اللہ صاحب پر کچھ بھی عائد نہیں کیا۔ نہ ان کا اقرار اس کی قبولیت کے لئے کوئی شرط تھی، اور نہ ہی ان کا انکار باعث رد، اور یہ الفاظ کہ (اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے)۔

اس بات کو بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ چاہے ثناء اللہ صاحب اسے قبول کریں یا رد کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں لکھا ہے:

"مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین! یارب العالمین"!

یعنی مولانا ثناء اللہ صاحب کے پاس مرزا صاحب کی اس بدعا سے بچنے کا اب ایک ہی راستہ ہے کہ وہ مرزا صاحب کے روبرو توبہ کر لیں۔ یہ توبہ کی شرط بھی اس بات کی دلیل ہے یہ مباہلہ نہیں تھا بلکہ محض دعا تھی کیونکہ مباہلہ میں توبہ کی شرط نہیں ہوتی اور بفرض محال ہو بھی تو دونوں اطراف سے ہونی چاہئے نہ کہ ایک طرف سے۔ اخبار البدر میں بھی مرزا صاحب کا ایک قول بیان کیا گیا ہے:

"ثناء اللہ کے واسطے بھی ہم نے توبہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ رحم کا مقتضا، ہوتا ہے کہ توبہ سے انسان بچ جاوے"[1]۔

یہ کہنا کہ ثناء اللہ صاحب نے اسے مباہلہ کہا ہے تو عرض ہے شروع میں انہوں نے اسے دعا ہی کہا ہے 26 اپریل 1907 کا اخبار اہل حدیث دیکھ لیں بعد میں انہوں نے اسے مباہلہ بھی کہا ہے لیکن اس کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ میرا مرزا قادیانی کی اس دعا کو مباہلہ کہنا بطور الزام تھا۔

---

[1] اخبار البدر نمبر 19 جلد 6 مورخہ 9 مئی 1907

چونکہ یہ بات فریقین میں مسلم ہے کہ

”ثناء اللہ صاحب کے نزدیک مباہلہ کی تعریف یہ تھی کہ فریقین بالمقابل قسم کھائیں اور یہ کہ ثنا اللہ، صاحب نے آخری فیصلے کو نامنظور کر دیا تھا“

لیکن اس کے باجود ثناء اللہ صاحب کا دعوی تھا کہ مرزا قادیانی پر اس مباہلہ کا اثر ہوا تو یہ بات اس بات کا بین ثبوت ہے ثناء اللہ صاحب کا اس کو مباہلہ کہنا محض الزامی تھا کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک مباہلہ یک طرفہ بھی ہو جاتا تھا

جیسا کہ مولانا غلام دستگیر کے بارے میں مرزا قادیانی نے کہا اس نے اپنے طور پر مجھ سے مباہلہ کیا:

"مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنے طور پر مجھ سے مباہلہ کیا اور اپنی کتاب میں دعا کی جو کاذب ہے خدا اس کو ہلاک کرے"[1]

"پہلے اس سے اسی قسم کا مباہلہ کتاب فتح ربانی کے صفحہ 27 میں مولانا غلام دستگیر قصوری بھی کر چکے ہیں“[2]

”ہر ایک منصف مولوی غلام دستگیر قصوری کی کتاب کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنے طور پر میرے ساتھ مباہلہ کیا اور اپنی کتاب فیض رحمانی میں اس کو شائع کر دیا اور پھر اس مباہلہ سے صرف چند روز بعد فوت ہو گیا اور کس طرح چراغدین جموں والے نے اپنے طور سے مباہلہ کیا اور لکھا کہ ہم دونوں میں سے جھوٹے کو خدا ہلاک کرے۔ اور پھر اس سے صرف چند روز بعد طاعون سے مع اپنے دونوں لڑکوں کے ہلاک ہو گیا۔“[3]

"نشان نمبر 204۔ مولوی عبد المجید ساکن دھلی نے اپنی کتاب بیان للناس میں میرا ذکر کر کے اور بالمقابل اپنے تیئں رکھ کر مباہلہ کے طور پر بددعا کی تھی تا کاذب صادق کی زندگی میں فنا ہو سو میری زندگی میں ناگہانی طور پر مر گیا"[4]

اسی طرح سعد اللہ لدھیانوی کے بارے میں کہا کہ اس نے مجھ سے مباہلہ کیا تھا

اس کے علاوہ روحانی خزائن جلد 22 ص 71 اور 72 کی یہ تحریر بھی نہایت ہی واضح ہے کہ مرزا قادیانی کے نزدیک مباہلہ یک طرفہ طور پر کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 239

[2] روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 123

[3] روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 71 حاشیہ

[4] روحانی خزائن ج 22 صفحہ 597

"اور وہ سلسلہ مباہلات ہے جس کے بہت سے نمونے دنیا نے دیکھ لئے ہیں اور مَیں کافی مقدار دیکھنے کے بعد مباہلہ کی رسم کو اپنی طرف سے ختم کرچکا ہوں لیکن ہر ایک جو مجھے کذّاب سمجھتا ہے اور ایک مکّار اور مُفتری خیال کرتا ہے اور میرے دعویٰ مسیح موعود کے بارہ میں میرا مکذّب ہے اور جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی اُس کو میرا افترا خیال کرتا ہے۔ وہ خواہ مسلمان کہلاتا ہو یا ہندو یا آریہ یا کسی اور مذہب کا پابند ہو۔ اُس کو بہرحال اختیار ہے کہ اپنے طور پر مجھے مقابل پر رکھ کر تحریری مباہلہ شائع کرے یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار چند اخباروں میں شائع کرے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے یہ بصیرت کامل طور پر حاصل ہے کہ یہ شخص (اس جگہ تصریح سے میرا نام لکھے) جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت کذّاب ہے اور یہ الہام جن میں سے بعض اُس نے اس کتاب میں لکھے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ سب اُس کا افترا ہے اور مَیں اُس کو درحقیقت اپنی کامل بصیرت اور کامل غور کے بعد اور یقین کامل کے ساتھ مفتری اور کذّاب اور دجّال سمجھتا ہوں۔ پس اے خدائے قادر اگر تیرے نزدیک یہ شخص صادق ہے اور کذّاب اور مُفتری اور کافر اور بے دین نہیں ہے تو میرے پر اس تکذیب اور توہین کی وجہ سے کوئی عذاب شدید نازل کر ورنہ اُس کو عذاب میں مبتلا کر۔ آمین ہر ایک کیلئے کوئی تازہ نشان طلب کرنے کیلئے یہ دروازہ کُھلا ہے اور مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اگر اس دعائے مباہلہ کے بعد جس کو عام طور پر مشتہر کرنا ہوگا اور کم سے کم تین نامی اخباروں میں درج کرنا ہوگا ایسا شخص جو اس تصریح کے ساتھ قسم کھا کر مباہلہ کرے اور آسمانی عذاب سے محفوظ رہے تو پھر مَیں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔ اس مباہلہ میں کسی میعاد کی ضرورت نہیں۔ یہ شرط ہے کہ کوئی ایسا امر نازل ہو جس کو دل محسوس کرلیں۔ اب چند الہامِ الٰہی ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں جن کے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ ایسے مباہلہ کرنے والے کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر ان تمام میرے الہامات کو اپنے اس مضمون مباہلہ میں (جس کو شائع کرے) لکھے اور ساتھ ہی یہ اقرار بھی شائع کرے کہ یہ تمام الہامات انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں ہے اور یہ بھی لکھے کہ ان تمام الہامات کو مَیں نے غور سے دیکھ لیا ہے۔ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ انسان کا افترا ہے یعنی اِس شخص کا افترا ہے اور اس پر کوئی الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بالخصوص عبدالحکیم خان نام ایک شخص جو اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ ہے جو بیعت توڑ کر مُرتد ہوگیا ہے خاص طور پر اِس جگہ مخاطب ہے۔[1]۔"

اور یہ تحریر تو مزید واضح ہے۔

---

[1] روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 71،72

"پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کے لئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا بلکہ اُن کو چاہئے کہ ایک چھپا ہوا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو (اور اِس جگہ میرا نام بتصریح لکھیں) مَیں کذّاب اور دجّال اور کافر سمجھتا ہوں اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس دعویٰ کا مَیں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں اور اے خدا مَیں تیری جناب میں دُعا کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا عقیدہ صحیح نہیں ہے اور اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اِس شخص کی موت سے پہلے موت دے۔ اور اگر مَیں اِس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص در حقیقت دجّال بے ایمان کافر مُرتد ہے اور حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نامعلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اِس شخص کو ہلاک کر۔ تا فتنہ اور تفرقہ دُور ہو۔ اور اِسلام کو ایک دجّال اور مغوی اور مضل سے ضرر نہ پہنچے۔ آمین ثم آمین

پہلے اِس سے اِسی قسم کا مباہلہ کتاب فتح رحمانی کے صفحہ ۲۷ میں مولوی غلام دستگیر قصوری بھی کر چکے ہیں اور اس کے بعد تھوڑے دنوں میں ہی میری زندگی میں ہی قبر میں داخل ہو گئے اور میری سچائی کو اپنے مرنے سے ثابت کر گئے مگر مولوی ثناء اللہ اگر چاہیں تو بذاتِ خود آزمالیں ان کو غلام دستگیر سے کیا کام کیونکہ وہ خود ہی اِس کے لئے مستعدی بھی ظاہر کرتے ہیں۔ یہ چیلنج جو در حقیقت ایک مباہلہ کا مضمون ہے اس کو لفظ بلفظ جو نمونہ مذکورہ کے مطابق ہو لکھنا ہو گا جو اُوپر مَیں نے لکھ دیا ہے ایک لفظ کم یا زیادہ نہ کرنا ہو گا اور اگر کوئی خاص تبدیلی منظور ہو تو پرائیویٹ خطوط کے ذریعہ سے اس کا تصفیہ کرنا ہو گا اور پھر ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز آدمیوں کے دستخط ثبت ہونے چاہئیں اور کم سے کم اس مضمون کا سات سو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہئے اور بیس اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیج دیں۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ مَیں اُنہیں مباہلہ کے لئے چیلنج کروں یا اُن کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ اُن کا اپنا مباہلہ جس کے لئے اُنہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے میری صداقت کے لئے کافی ہے"[1]

لہذا آخری فیصلہ مباہلہ تھا تو بھی یکطرفہ مباہلہ تھا

محض دعا تھی تو بھی تو بھی یک طرفہ دعا تھی

---

[1] روحانی خزائن جلد 19 ص 123، 124

اس طرح کی ملتی جلتی یکطرفہ دعا مرزا قادیانی، مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے رفقا، کے بارے میں 21نومبر 1898کو بھی کر چکے ہیں۔ جو کہ مجموعہ اشتہارات بعنوان "ہم فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں" پر موجود ہے[1]۔

اس کے متعلق مرزاغلام احمد قادیانی خود کہتے ہیں

" 21نومبر 1898کا ہمارا اشتہار جو مباہلہ کے رنگ میں شیخ محمد حسین اور اس کے دو ہم راز رفیقوں کے مقابل پر نکلا ہے وہ صرف ایک دعا ہے"[2]

مزے کی بات یہ ہے کہ "احمدیہ پاکٹ بک" والے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ

"حضرت اقدس نے بعینہٖ "آخری فیصلہ" والی دعا کے مطابق ایک اشتہار 21نومبر 1898کو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے متعلق شائع فرمایا تھا"

اور مرزا قادیانی نے خود بھی کہا ہے "اب یہ اشتہار 21نومبر 1898آخری فیصلہ ہے چاہئے کہ ہر ایک طالب صادق صبر سے انتظار کرے"[3]

لہذا اس سے بھی بالکل ثابت ہو گیا کہ "آخری فیصلہ" والا اشتہار مباہلہ کے رنگ میں صرف ایک دعا تھی اور وہ بھی یکطرفہ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر مولانا ثنا، اللہ امرتسری صاحب کے انکار سے کوئی فرق پڑتا تھا تو ان کے انکار کے بعد مرزا قادیانی نے یہ کیوں نہ کہا کہ بوجہ انکار یہ مباہلہ منسوخ ہو چکا ہے، بلکہ جب مرزا قادیانی کے بیٹے مبارک احمد کی وفات کو مولانا ثنا، اللہ صاحب نے اس مباہلہ کا اثر قرار دیا تو مرزا قادیانی نے یہ کیوں نہ کہا کہ مباہلہ تو تمہارے انکار کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے اب اس کے اثر کا کیسا دعوی؟

[1] مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 57 تا 62

[2] روحانی خزائن جلد 14 صفحہ :174: اشتہار 30نومبر 1898

[3] روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 166

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰۃُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَاللہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔[2]

ترجمہ: ”اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں، کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے ان معاملات میں اپنی سی بحث کرلی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔“

زمین خدا کے قطعہ بابل پر لوگوں کے خدساختہ خدا نمرود کی حکومت تھی ہر طرف ظلم وستم کے پہاڑ تھے جو نمرود بن کنعان بن کوش[3] کا پیروکار وہی دنیا میں خوش وخرم۔ اس بگڑے ہوئے معاشرے میں بابل کی سلطنت کے ایک چھوٹے سے شہر فدام آورم میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابراہم رکھا گیا۔ جسے خدا نے قوموں کے باپ کے روپ میں چن لیا تھا اور وعدہ فرمایا تھا کہ تجھے اور تیری نسل کو بڑھاوں گا اور برکت عطا کرونگا۔

بائبل میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

---

1 محمد منیب الرحمن: بی ایس سی انجینئرنگ ٹیکنالوجسٹ

2 آل عمران ۳:۶۵-۶۷

3 طبقات ابن سعد اردو: جلد اول صفحہ ۵۷: دارالاشاعت کراچی

"اور تارؔح ستر برس کا تھا جب اُس سے ابرؔام اور نحوؔر اور حارؔان پَیدا ہوئے۔ اور ابرؔام اور نحوؔر نے اپنا اپنا بیاہ کر لِیا۔ اَبرام کی بیوی کا نام سارؔی اور نحُور کی بیوی کا نام مِلکؔہ تھا جو حارؔان کی بیٹی تھی۔ وہی مِلکہ کا باپ اور اِسکہ کا باپ تھا۔ اور سارؔی بانجھ تھی۔ اُسکے کوئی بال بچّہ نہ تھا۔ اور تارؔح نے اپنے بیٹے ابرؔام کو اور اپنے پوتے لُوطؔ کو جو حارؔان کا بیٹا تھا اور اپنی بہو سارؔی کو جو اُسکے بیٹے ابرؔام کی بیوی ساتھ لیا اور وہ سب کسدیوں کے اُورؔ سے روانہ ہوئے کہ کنعاؔن کے مُلک میں جائیں اور وہ حارؔان تک آئے اور وہیں رہنے لگے۔"[1]

عہد ابراہیمیؑ:

"اور خُداوند نے ابرؔام سے کہا کہ تُو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نِکل کر اُس مُلک میں جا جو مَیں تجھے دِکھاؤنگا۔ اور میں تجھے ایک بڑی قَوم بناؤنگا اور برکت دُونگا اور تیرا نام سرفراز کرونگا۔ سو تُو باعثِ برکت ہوا۔ جو تجھے مبارک کہیں اُنکو میں برکت دُونگا اور جو تُجھ پر لعنت کرے اُس پر مَیں لعنت کرونگا اور زمین کے سب قبیلے تیرے وسیلہ سے برکت پائینگے۔[2]"

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جِسے تم مانوگے سو یہ ہے کہ تُم میں سے ہر ایک فرزندِ نرینہ کا ختنہ کِیا جائے۔ اور تُم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اُس عہد کا نِشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ پُشت در پُشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اُسے کِسی پردیسی سے خرید ا ہو جو تیری نسل سے نہیں۔ لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کِیا جائے اور میرا عہد تمہارے جِسم میں ابدی عہد ہوگا۔ اور وہ فرزندِ نرینہ جِسکا ختنہ نہ ہُوا جِسکا ختنہ نہ ہُوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اُس نے میرا عہد توڑا۔[3]"

قاموس الکتاب کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"ابرہام کے ساتھ خدا کے سلوک کو صرف یوں نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے اسرائیلیوں اور اس کے دیگر اولاد کو ہی برکت ملی بلکہ تمام گنہگار نسل انسانی کو بھی۔ خدا نے ابرہام کو اپنے رشتہ داروں اور ملک کو چھوڑ کر ایک اور ملک میں جانے کو کہا جہاں وہ اسے ایک بڑی قوم بنائے گا۔ چنانچہ وہ خدا کی ہدایت کے مطابق کنعان کی طرف چل دیا۔ خدا نے اس کے ساتھ ایک عہد باندھا اور اس عہد کے نشان کے طور پر ختنہ کا حکم

---

1 پیدائش باب ۱۱:۱
2 پیدائش باب ۱۲
3 پیدائش باب ۱۷:۱۰-۱۴

دیا۔ خدا نے ابرہام سے وعدہ کیا کہ وہ اس ملک کو جس میں وہ چل رہا ہے اسے دے گا اور اس نے اس کا نام ابرام رکھا جس کا مطلب ہے 'بہت قوموں کا باپ۔'' [1]

نسل ابراہیمؑ:

حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے جس خاتون سے حق زوجیت ادا کیا وہ حضرت سارہؑ تھیں۔ آپؑ حضرت ابراہیمؑ کی بھتیجی اور حضرت لوطؑ کی بہن تھیں جبکہ بائیبل کے مطابق آپؑ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کی بیٹی بھی کہا گیا ہے (۱۳:۲۰)۔ [2]

چونکہ اس وقت اس قسم کے شادی کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کی شادی طے پائی۔

پیدائش باب ۱۲ میں جب خدا حضرت ابراہیمؑ کو برکت اور بڑی قوم کے وعدے سے نوازتا ہے تو حضرت سارہؑ کا کہیں ذکر نہیں ملتا بلکہ برکت کا وعدہ صرف حضرت ابراہیمؑ سے کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ کی حضرت لوطؑ سے علیحدگی، خدا کا حضرت ابراہیمؑ مزید برکت کا وعدہ [3]، سدوم کے ساتھ جنگ، نیز کسی بھی اہم معاملہ میں حضرت سارہؑ کا نام حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نہیں ملتا۔ قحط سالی کے ایام میں مصر کو ہجرت کے وقت بائیبل کے مطابق حضرت سارہؑ کو فرعون کی بیوی بن کر بھی رہنا پڑتا ہے [4]۔

وعدہ کا فرزند:

حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد جس عورت سے ہوئی ان کا نام حضرت ہاجرہؑ ہے۔ ''اور ابرؔام کی بِیوی سارؔی کے کوئی اَولاد نہ ہُوئی۔ اُسکی ایک مصری لوَنڈی تھی جِسکا نام ہاؔجرہ تھا۔ اور سارؔی نے ابرؔام سے کہا کہ دیکھ خُداوند نے مجھے تو اَولاد سے محروم رکھا ہے سو تُو میری لَونڈی کے پاس جا شاید اُس سے میرا گھر آباد ہو اور اؔبرام نے سارؔی کی بات مانی۔ اور ابرؔام کو مُلک کنعاؔن میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اُسکی بیوی سارؔی نے اپنی مصری لَونڈی اُسے دی کہ اُسکی بیوی بنے۔ اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حامِلہ ہو گئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔'' 5

---

1 قاموس الکتاب۔ پادری ایف ایس خیر اللہ۔ صفحہ ۱۳

2 تلمود۔ ربی رشی کی تفسیر بابت پیدائش ۱۲:۲۰

3 پیدائش ۱۳:۱۴۔۱۸

4 Genesis:how it all begins by Dr Charles Babars :12:16, 13:1)

5 پیدائش باب ۱۶:۱۔۴

ربی حزقی بن منوح اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

“This verse is intended to inform us that the covenant just concluded between God and Avram preceded the time when Avram was blessed with biological offspring. We should not assume that here too the principle that the Torah need not report events in their chronological sequence could be applied. As a reminder of this, the Torah reports that up until now Sarai had not conceived or given birth[1].”

مفہوم: ”اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد خدا اور ابراہم کے درمیان اس وقت سے پہلے ہو چکا تھا جب ابراہم کو اولاد سے نوازا گیا تھا ۔ ہمیں یہاں توارت کے تاریخی واقعات کے اصول کو ماننے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اس آیت کا مقصد صرف یاد دہانی ہے کہ ساری کے یہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔“

اس سے واضع ہوتا ہے کہ عہد خدا اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ہی تھا جیسا کہ ربی داود کمچی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"Sarai was barren." Now when Sarai realized that her husband was already 85 years old, and she still had not been able to bear a child for him, while she herself had already reached the age of 75, she thought that she had no longer any hope of conceiving herself. She therefore reasoned to herself, that seeing G'd had promised Avram that he would have children of his own who would inherit the land of Canaan, G'd must have referred to his siring children from another woman. She reasoned further that it would be in her own best interest that any children born to her husband should be born by a woman under her control so that she would experience the joy of motherhood at least vicariously[2].”

مفہوم: ”ساری بانجھ ہو چکی تھی۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس کا شوہر 85 اور وہ 75 سال کی ہو چکی ہے اور اولاد جننے کے قابل نہیں رہی۔ اور اسے وہ عہد نظر آیا جب خدا نے ابراہم کی اولاد کو کنعان کی سر زمین کا وارث ٹھہرایا تھا۔ اس نے مزید اپنے شوہر سے استدلال کیا کہ کسی اور عورت سے بچہ میری موجودگی میں ہی پیدا ہو تا کہ میں بھی ممتا کی محبت کا احساس کر سکوں۔“

---

1 تالمود۔ تفسیر حزقونی۔ پیدائش ١٦:١۔

2 تالمود۔ تفسیر رداخ۔ پیدائش ١٦:١

دس برس کے قانون پر تلمود میں لکھا ہے کہ اگر' بیوی کے ہاں دس سال تک اولاد نہیں ہوتی تو خاوند چاہے تو اسے طلاق دے یا دوسری شادی کر سکتا ہے

"If a man is married to a woman and for ten years they do not succeed in having children, he must either marry another wife or divorce the first wife and marry another wife.[1]"

"اگر مرد نے کسی عورت سے شادی کی ہے اور دس سال تک وہ بے اولاد رہتے ہیں، تو اسے لازمی طور پر دوسری شادی کرنی چاہئے یا پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنی ہو گی۔"

لونڈی یا خادمہ؟

یہود کے مطابق حضرت ہاجرہؑ حضرت سارہؑ کی لونڈی تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غلاموں کی اقسام یہ ہیں:

A concubine would generally be either

1. A Hebrew girl bought of her father;
2. A Gentile captive taken in war;
3. A foreign slave bought;
4. A Canaanitish woman, bond or free.

The rights of the first two were protected by the law, (Exodus 21:7; 21:10-14) but the third was unrecognized and the fourth prohibited.[2]

سمتھ بائیبل ڈکشنری کے مطابق لونڈی وہ عورتیں ہو سکتی ہیں جو:۔

1۔ عبرانی لڑکی جو اپنے باپ کی طرف سے بیچی جائے۔(خروج ۲۱:۷)

2۔ غیر یہودی جو جنگ میں ہتھیائے گئے ہوں۔(گنتی ۳۱:۱۸)

3- اجنبی لڑکی / لڑکا جسے خریدہ گیا ہو۔(מִקְנָה۔ مقنت۔ 4736.)۔(پیدائش ۱۲:۱۷۔ خروج ۱۲:۴۴)۔

4۔ کنعانی عورت معاہدے یا بغیر معاہدے کے۔

[1] English Explanation of Mishnah Yevamot 6:6:3

2 Smith's Bible Dictionary. Concubine William Smith

اس کے علاوہ

مدخولہ یا حرم: مباشرت والی عورت۔(6370. פִּילֶגֶשׁ (مدخولہ۔ حرم-Pilegesh) ۔(پیدائش ۲۲:۲۴۔ابراہم کی حرم، ۲۵:۶۔)۔(یعقوب کی حرم جس سے اس کا بیٹا بھی ہم بستر ہوا، ۲۲:۳۵۔)۔(قضاۃ ۱۹:۱)۔(ساول کی حرم، ۲ سموئیل ۳:۷)۔

پروفیسر محمد اشرف چھینہ لکھتے ہیں:۔

جہاں تک حضرت ہاجرہؑ کا حضرت سارہؑ کی لونڈی ہونے کا تعلق ہے تو مندرجہ ذیل نقاط کو بھی جانچ لینا چاہیے:۔

1۔ اس نوعیت کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت ہاجرہؑ، حضرت سارہؑ کو ان کی والدین کی طرف سے وراثت میں ملی تھیں۔

2۔ حضرت ہاجرہؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کے ساتھ اس وقت بالکل نہیں تھیں جب انہوں نے حاران سے کنعان کی طرف ہجرت کی۔

3۔ بائیبل اس بارے میں خاموش ہے کہ جس طرح حضرت سارہؑ، حضرت ہاجرہؑ کی مالکن بنیں۔ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت سارہؑ کے پاس اپنا ذاتی سرمایہ یا کاروبار تھا جس سے آپ اپنے لیے حضرت ہاجرہؑ کو خرید سکتیں۔

4۔ حضرت ہاجرہؑ کا اس مقام پر بھی کوئی ذکر نہیں ملتا جب فرعون نے حضرت ابراہیمؑ کو لونڈیوں سے نوازہ۔

5۔ عام طور پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فرعون نے حضرت سارہؑ کو حضرت ہاجرہؑ بطور لونڈی عطا کی، حالانکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کی فرعون سے ملاقات کا حال بائیبل میں یوں بیان ہے:

”اور اُس نے اُسکی خاطر ابرؔام پر اِحسان کیا اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لَونڈیاں اور گدھیاں اور اُونٹ اُسکے پاس ہو گئے“۔[1]

اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے بیل گائے اس کے ' پاس ہو گئے ' ۔یہاں عبرانی لفظ (הָיָה- Strong Hebrew 1961) استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ””رکھنا““ ہے۔اس سے فرعون کی طرف سے کوئی دیا ہوا تحفہ ثابت نہیں ہوتا۔کیونکہ اس باب کی ابتدائی فقرات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابراہم کوئی غریب نہیں بلکہ مال و دولت رکھنے والا شخص تھا[2]۔اسی مال کو فرعون نے ضبط کر لیا تھا جسے واپس کیا گیا تھا۔اور فرعون نے اسے اور اس کی بیوی کو مع سب کچھ کے جو اسکا تھا رخصت کر دیا۔(۱۲:۲۰)۔

---

[1] پیدائش ۱۲:۱۶

[2] پیدائش ۱۲:۵

لیکن بالفرض ہم یہاں یہ مان لیں کہ فرعون نے یہ انعامات دیے تھے تو تب بھی یہ مال و دولت حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تھی نہ کہ حضرت سارہؑ کو۔

یہاں ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو کچھ بھی دیا گیا اس میں حضرت ہاجرہؑ کا ذکر کہیں نہیں۔ البتہ آپؑ کسی اور حثیت سے حضرت ابراہیمؑ کو سونپی گئیں۔

6۔ اسی طرح کی ایک اور مثال ہمیں پیدائش باب ۲۰:۱۴ میں ملتی ہے جب ابی ملک سے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کو اپنی بہن کہا:

" تب ابیؔ مَلِک نے بھیڑ بکریاں اور گائے بَیل اور غلام اور لونڈیاں ابرؔہام کو دِیں اور اُسکی بیوی سارؔہ کو بھی اُسے واپس کر دِیا۔"

اس شرم ناک واقعہ سے قطع نظر جو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے، ابی ملک نے بھی سارا سامان حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا نہ کہ حضرت سارہؑ کو۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ہاجرہؑ یہاں بھی ان انعامات میں کہیں نہیں۔

یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ یہاں بھی حضرت ہاجرہؑ کو لونڈی کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ ہی ہر اس چیز کے اکیلے مالک تھے جو بادشاہ ابی ملک کی طرف سے لوٹائی گئیں۔ جبکہ حضرت سارہؑ کے پاس کوئی چیز نہیں تھی سوائے حضرت ابراہیمؑ کے۔[1]

بائیبل میں فرعون مصر کی جانب سے حضرت سارہؑ کو دیے گئے کسی بھی انعام کا ذکر نہیں، بلکہ مال و دولت سے حضرت ابراہیمؑ کو نوازا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر حضرت ہاجرہؑ کسی کی خادمہ تھیں تو وہ ان کے شوہر حضرت ابراہیمؑ تھے نہ کہ حضرت سارہؑ جیسا کہ مسیحی ریونڈ پروفیسر وٹنس (Witness Lee) لی، اور امریکن ریپبلک پارٹی کے صدر جناب حیرک کرسچن کم (Heerak Christian Kim) نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ حضرت ابراہامؑ کی خادمہ تھیں۔

Hagar, Abraham's Concubine was the symbol of the Law. [2]

Hagar, Abraham's concubine is portrayed and expendable.[3]

Hagar was actually Abraham's concubine. [4]

---

[1] Hagar, The Princes. By Muhammad Ashraf Chheenah,Page 43
2 Abraham: Called by God by Witness Lee. Page 122
3 Jewish Law and Identity: Academic Essays By Heerak Christian Kim. Page 126
4 THE CATHOLIC BIBLICAL QUARTERLY , Hagar the Egyptian: Wife, Handmaid, and Concubine Page 216 by , PHIIIPY YOO, University of Toronto, Toronto, ON M5S ICI, Canada.

تارگوم یروشلمی میں ربی جوناتھن بن عزیل اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہؑ، حضرت ابراہیمؑ کو دی گئیں:۔

But Sara, the wife of Abram, had not borne to him. But he had a handmaid, a Mizreitha, and her name was Hagar, a daughter of Pharoh, whom he gave to him as a handmaid at the time that he received her, being struck by the Word from before the Lord..

یہاں " He Had"اور' gave to him' مرد کی طرف منسوب ہے نہ کہ عورت کی طرف۔[1]

یہاں ایک بات واضح ہو کہ حضرت ہاجرہؑ' خادمہ یعنی۔(**שִׁפְחָה**۔ شفحہ۔8189۔) کہا گیا ہے جس کو آسان سمجھنے کے لیے بن یہوداہ ڈکشنری میں لکھا ہے کہ" شفحہ کا مادہ عبرانی لفظ 'مشفحہ' سے ماخوذ کے جس کے معنی قبیلہ کے ہیں۔ اور 'شفحہ' بھی قبیلہ میں شامل ہونے والے شخص کے لیے بولا جاتا ہے۔

. A better understanding may come from the Ugaritic verb(s-f-h), which means "beingtogether" and is related to the Hebrew misahah ("clan")." This connection between sfb and misabah has been questioned, resulting in the translation of sfh as "to join" or "attach oneself to.n"In other words, shtfhah could mean 'someone who joins or is attached to' a person or a clan."[2]

اس کو بہتر سمجھنے کے لیے' اوغیارٹ[3] فعل'(*šph*) کے معنی جاننے چاہیے جسکا مطلب ہے' ایک ساتھ ہونا'، اور یہ عبرانی لفظ 'مشفحہ' کے ہم معنی ہے جسکا مطلب' قبیلہ' کے ہیں۔ ان دونوں لفظوں میں تعلق پر سوال پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ' شامل ہونا۔ منسلک ہونا' ، پس 'شفحہ' کا معنی یہ ہو گا 'کسی شخص کا قبیلہ یا اس کے فرد کے ساتھ منسلک ہونا'۔

špḥ, "family, clan, descendants"[4]

شفحہ: خاندان، قبیلہ، میراث

حضرت ہاجرہؑ جنسی تعلقات رکھنے والی لونڈی حرم یعنی۔ **פִּילֶגֶשׁ**۔ پلگیش۔ .6370، نہیں تھیں۔ جیسا کہ ابراہم اور یعقوبؑ کی حرمیں موجود تھیں۔ لیکن حضرت ہاجرہؑ کو اس لفظ سے مخاطب نہیں کیا گیا۔

---

[1] تارگوم جوناتھن۔ پیدائش ١٦:١

[2] THE ROLE OF HAGAR IN GENESIS 16.Seminary studies 40 autumn 2002, page 184 by PHILIPR. DREY.Mount Mercy College Cedar Rapids, Iowa

[3] اوغیارٹ بارہویں صدی قبل مسیح اموریاتیوں کی زبان ہے

[4] Terms Related to the Family in Ugaritic By WILFRED G. E. WATSON Northumberland: P 27

بنی اسرائیل لونڈی کی نسل:

اسی طرح حضرت یعقوبؑ لونڈی 'لیاہ' کے لیے بھی لفظ 'شفحہ' استعمال ہوا ہے (پیدائش ۲۹:۲۴)۔ جن کی نسل سے حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور بالآخر عورت کے توسط سے سیدنا عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

اگر خادمہ ہونے سے عہد اسماعیلی میں کوئی حقارت آتی ہے تو یہود و نصاریٰ کا ان انبیا کے بارے میں کیا خیال ہے؟

یہود کے آباء و اجداد کو مصریوں نے غلام بنا لیا تھا[1]۔ مصریوں کی غلامی سے نجات کے بعد بھی ان کو بار ہا غلام بنایا گیا[2]۔ پس غلامی اگر کسی شجرہ نسب پر داغ ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کے آباء و اجداد پر یہ داغ کہیں زیادہ اور کہیں گہرے ہیں۔

حضرت ہاجرہؑ آزاد شہزادی:

حضرت ہاجرہؑ پیدائشی آزاد اور بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں جنہیں تلمود کے مطابق بادشاہ مصر نے حضرت سارہؑ کے معجزات کو دیکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ربی رشی فرماتے ہیں:

" שפחה מצרית .בַּת פַּרְעֹה הָיְתָה, כְּשֶׁרָאָה נִסִּים שֶׁנַּעֲשׂוּ לְשָׂרָה אָמַר: מוּטָב שֶׁתְּהֵא בִתִּי שִׁפְחָה בְּבַיִת זֶה וְלֹא גְבִירָה בְּבַיִת אַחֵר

שפחה מצרית A HANDMAID, AN EGYPTIAN — She was a daughter of Pharaoh; when he saw the miracles which had been performed for Sarah's take he said, "It is better for my daughter to be a handmaid in this man's house than be mistress in another man's house"[3]

---

[1] خروج باب ۱۔ نیز خروج باب ۲، آیت ۲۳

[2] قضاۃ ۲:۱۴۔ ۳:۸۔ ۴:۲۔ ۱۰:۷۔ ۱ سموئیل ۹:۱۲۔

[3] Genesis Rabbah 45:1- تلمود تفسیر ربی رشی۔ پیدائش ۱۶:۱

"ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں۔(Mentuhotep II[1]) فرعون نے یہ دیکھ کر کہ سارہ کے لئے کیسے کیسے عجیب وغریب معجزات صادر ہوئے ہیں، یہ اعلان کیا کہ اس کی بیٹی کے لئے ابراہیم کے گھر میں خادمہ کی حیثیت سے رہنا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ کسی اور کے محل میں ملکہ بن کر رہے۔"

حضرت ہاجرہؑ، حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ:

جیسا کہ اوپر لونڈی کے متعلق واضع بیان ہو چکا ہے، بالفرض محال اگر حضرت ہاجرہؑ حضرت سارہؑ کی لونڈی تھیں بھی تو اب حضرت ابراہیمؑ کی بیوی بن چکی تھیں۔ جیسا کہ پروفیسر چارلس لکھتے ہیں:

"An important change in hagar's position occurred here , and it appears to have been initiated by sarai. from this point forward, she was no longer sarai's maid. now she has become abraham's wife"[2]

" ہاجرہ کا رتبہ بدل چکا تھا اور اس کی. شروعات سارہ نے کی تھی۔ اس مقام سے آگے اب وہ سارہ کی لونڈی نہیں رہی تھی، بلکہ ابراہیم کی بیوی بن چکی تھی۔"

عبرانی میں یہاں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت سارہؓ کے لیے ایک ہی لفظ بولا گیا ہے۔ یعنی (ishshah۔802۔נָשִׁים)۔ جس کے معنی بیوی کے ہیں۔

یہود کا بغض:

یہود خاندانی رقابت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ ان کو بنی اسماعیل پر فوقیت حاصل ہو۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہوں نے ہر وہ حربہ اپنایا جس سے بنی اسماعیل کی تنقیص ہو۔ اس کے کے لیے بائبل میں تحریف کرنے سے بھی انہوں نے گریز نہیں کیا۔ یہود کی نسبت ہمارے دیسی مسیحی حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں اس قدر متعصب رویہ رکھتے ہیں جس کی مثال شاید ہی تاریخ مذاہب میں کہیں اور ملتی ہو۔

1 Mentuhotep II: also called Nebhapetre, king (ruled 2008–1957 BCE) of ancient Egypt's 11th dynasty (2081–1938 BCE) who, starting as the ruler of southernmost Egypt in about 2008 BCE, reunified the country by defeating his rivals and ushered in the period known as the Middle Kingdom (1938–c. 1630 BCE)

2 Genesis:how it all begins by Dr Charles Babars : see genesis 12:16, 13:1

پادری عماد الدین سے لے کر یوحنا آباد کے مناظرین حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا نام اگر لے لیں بھی تو منہ کو بگاڑنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ اور خدا تعالی کے وعدہ صلب ابرام کو پیٹھ پیچھے پھینکتے ہیں جبکہ حکم ہوتا ہے۔ "تب خُداوند کا کلام اُس پر نازِل ہُوا اور اُس نے فرمایا یہ تیرا وارث نہ ہو گا بلکہ وہ جو تیرے صُلب سے پَیدا ہو گا وُہی تیرا وارِث ہو گا[1]، کیا کسی یہودی، مسیحی کو اس بات سے انکار ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے صلب سے نہیں تھے؟ بلکہ آپؑ ہی پہلے صلب اور پہلے وارث ہیں۔

پروفیسر ولیم میکڈونلڈ لکھتے ہیں:

" اِس سارے بیان میں ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہاجرہ شریعت اور سارہ فضل کی نمائندگی کرتی ہے۔"

جن سے خدا تعالی نے ابراہیمؑ کے صلب کا وعدہ پورا فرمایا۔ یہ بائیبل کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا جب خدا نے کسی بچہ کا نام خود تجویز کیا۔ اور خدا نے اپنے مقرب فرشتے سے ذریعہ حضرت ہاجرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"خُداوند کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ مَیں تیری اَولاد کو بہت بڑھاؤنگا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اُسکا شمار نہ ہو سکیگا۔ اور خُداوند کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ تُو حامِلہ ہے اور تیرے بیٹا ہو گا۔ اُس کا نام اِسمٰعیل رکھنا اِسلئے کہ خُداوند نے تیرا دُکھ سُن لِیا۔ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا۔ اُسکا ہاتھ سب کے خِلاف اور سب ہاتھ اُسکے خِلاف ہونگے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہیگا۔ اور ابرؔام سے ہاجرؔہ کے ایک بیٹا ہُوا اور ابرؔام نے اپنے اُس بیٹے کا نام جو ہاؔجرہ سے پَیدا ہُوا اِسمٰعیل رکھا۔ اور جب ابرام سے ہاؔجرہ کے اِسمٰعیل پَیدا ہُوا تب ابرؔام چھیاسی برس کا تھا۔[2] "

پادری وکلف اے سنگھ اس فرشتہ کے متعلق لکھتے ہیں:

" حضرت جبرائیل خدا تعالےٰ کے مقرب فرشتہ ہیں۔ جنہوں وہ قدیم زمانہ میں اپنے وفادار خادموں کے پاس ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور اپنا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا کرتا تھا"۔[3]

اور ایسا ہی ہوا مصریوں کے غلام بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تو ادھر ادھر بکھر گئے لیکن آزاد اسماعیلؑ کے قبائل ہمیشہ فاتح ہوئے۔ اس پر مسیحی محققین کی آرا بیان کرنا بھی مناسب ہو گا تا کہ بات کی مضبوطی ہو سکے۔

---

[1] پیدائش۔ ۱۵:۴
[2] پیدائش ۱۶:۹۔ ۱۲
[3] سیرت ابن مریم۔ مترجم وکلف اے سنگھ۔ صفحہ ۱۸

علامہ پادری غلام مسیح صاحب فرماتے ہیں:

"یہ بات نہایت تعجب خیز معلوم ہوگی کہ حضرت سام بن نوح اور حضرت ابراہیم عبرانی کی عربی نسل، ملک عرب میں ہمیشہ بااقتدار چلی آئی بابل، نینوہ، سور فینکی، کنعان، مصر، فارس، یونان کی زبردست حکومتیں پیدا ہو کر فنا ہو گئیں۔ مگر عربوں نے اپنی آزادی ہاتھ سے نہ کھوئی کیا یہ تاریخی معجزہ نہیں۔"[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے حضرت ابراہیمؑ کے عہد کے لیے کتنا سنجیدہ تھا۔ حضرت ہاجرہؑ کا حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بیوی بننا۔ خدا کا حضرت ہاجرہؑ سے عہد باندھنا۔ آپ سے وعدہ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اور ملک عرب میں ہجرت کے ساتھ خدا کی نوید، خدا کے وعدہ کی تکمیل کی طرف سفر تھا۔ اور خدا کا یہ عہد نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر ہی صادق آتا ہے جن کی بدولت ہی عرب نے دنیا کی سلطنتوں کو زیر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جن کی تعلیم سے ہی عرب اس قابل ہو سکا کہ عبرانیوں کے سامنے بسا رہے۔

عہد اضحاق:

اس کے بعد خدا حضرت سارہؑ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے:

"اور خُدا نے ابرؔام سے کہا کہ ساؔرَی جو تیری بیوی ہے سو اُسکو ساؔرَی نہ پُکارنا۔ اُسکا نام ساؔرہ ہو گا۔ اور مَیں اُسے برکت دُونگا اور اُس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشونگا۔ یقیناً مَیں اُسے برکت دونگا کہ قَومیں اُسکی نسل سے ہونگی اور عالم کے بادشاہ اُس سے پَیدا ہونگے۔ تب ابرؔہام سرنگو ہُوا اور ہنس کر جِی میں کہنے لگا کہ کیا سَو برس کے بُڈّھے سے کوئی بچّہ ہوگا اور کیا ساؔرہ کے جو نوّے برس کی ہے اولاد ہو گی؟۔ اور ابرؔہام نے خُدا سے کہا کہ کاش اِسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔"[2]

اس سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنی پہلی بیوی سے اب کوئی سروکار نہیں تھا۔ بلکہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ہی اپنا حقیقی وارث تسلیم کر چکے تھے اور یہی دعا خدا کے حضور بھی مانگی تھی، لیکن خدا نے انصاف کیا اور حضرت سارہؑ کی امید بھی بھر

---

[1] کوائف العرب۔ عرب قبل از اسلام۔ مصنفہ: علامہ پادری علامہ غلام مسیح ایڈیٹر نور افشاں۔ لاہور ۱۹۲۵

[2] پیدائش، ۱۷:۱۷۔۱۸

آئی۔" تب خُدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی ساؔرہ کے تجھ سے بیٹا ہو گا تُو اُسکا نام اِضحاؔق رکھنا اور مَیں اُس سے اور پھر اُسکی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھُونگا۔ اور اِسؔمعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سُنی۔ دیکھ مَیں اُسے برکت دُونگا اور اُسے برومند کرونگا اور اُسے بڑھاؤنگا اور اُس سے بارہ سردار پیَدا ہونگے اور مَیں اُسے بڑی قوم بناؤنگا۔"[1]

یہاں ایک اور بات بھی واضع ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا پہلا بیٹا حضرت اسماعیلؑ تھے جو کہ اپنے بھائی حضرت اضحاقؑ سے تیرہ سال بڑے تھے۔ پروفیسر چارلس (پیدائش باب ۱۷ فقرہ ۱۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'So He (Abraham) basically asked from God why his heir couldn't be Ishmael , his first born son ,the one he had raised for the last thirteen years'.[2]

"""" تو اس (ابراہیم) نے بنیادی طور پر خدا سے پوچھا کہ اس کا وارث اسماعیل کیوں نہیں ہو سکتا، جو اس کا پہلا بیٹا تھا، جسے اس نے تیرہ سالوں سے پالا تھا۔".

اللہ عزوجل اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنے علاقے کو خیر باد کہا تو اپنے پروردگار کے حضور التجا کی کہ اسے کوئی صالح اولاد عطا فرما دیجئے تو پروردگار نے خوشخبری سنائی کہ ان کے ہاں ایک بردبار بچہ جنم لے گا، اور وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں کونکہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد یہی ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک چھاسی سال بیت چکی تھی، اور اس بات میں کسی مذہب والے کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد ہیں۔۔[3]

ہجرت عرب:

حضرت اصحاقؑ کی پیدائش کے بعد واقعہ ایک نیا موڑ لے لیتا ہے:

" اور ساؔرہ نے دیکھا کہ ہاؔجرہ مصری کا بیٹا جو اُسکے ابرؔہام سے ہُوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اُس نے ابرؔہام سے کہا کہ اِس لَونڈی کو اور اُسکے بیٹے کو نِکال دے کیونکہ اَس لَونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اِضحاؔق کے ساتھ وارِث نہ ہو گا۔ پر ابرؔہام کو اُسکے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بُری معلوم ہوئی۔ اور خُدا نے ابرؔہام سے کہا کہ تجھے اِس لڑکے اور اپنی لَونڈی کے باعث بُرا نہ لگے۔ جو کُچھ ساؔرہ تجھ سے کہتی ہے تُو اُسکی بات مان کیونکہ اِضحاؔق سے تیری

[1] پیدائش ۱۷:۱۵۔۲۰

[2] Genesis: How It All Began

[3] تاریخ ابن کثیر اردو جلد اول صفحہ ۲۰۳۔ اشاعت ادارہ اسلامیات انارکلی۔

نسل کا نام چلیگا۔ اور اُس لَونڈی کے بیٹے سے بھی مَیں ایک قوم پیدا کرونگا اِسلئے کہ وہ تیری نسل ہے۔ تب ابرؔہام نے صبح سویرے اُٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اپسے ہاؔجرہ کو دِیا بلکہ اُسے اُسکے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اُسکے حوالہ کر کے اُسے رُخصت کی دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیرؔسبع کے بیابان میں آوارہ پھِرنے لگی۔ اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اُس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈالدیا۔ اور آپ اُسکے مقابل ایک تیر کے ٹپّے پر دُور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ مَیں اِس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اُسکے مُقابل بَیٹھ گئی اور چلاّ چِلاّ کر رونے لگی۔ اور خُدا نے اُس لڑکے کی آواز سُنی اور خُدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پُکارا اور اُس سے کہا اَے ہاجرؔہ تجھ کو کیا ہُوا؟ مت ڈر کیونکہ خُدا نے اُس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اُسکی آواز سُن لی ہے۔ اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ مَیں اُسکو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ پھِر خُدا نے اُسکی آنکھیں کھولیں اور اُس نے پانی کا ایک کُوآں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لِیا اور لڑکے کو پِلایا۔ اور خُدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہُوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔[1]

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○[2]

"اے ہمارے پرورد گار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی، ہمارے پرورد گار! (یہ میں نے اس لیے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ لہذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے کشش پیدا کر دیجیے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایے۔ تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔"

واقعہ قربانی اور اکلوتا:

قربانی کے کے وقت خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے سب سے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○[3]

---

[1] پیدائش باب ۲۱

[2] سورۃ ابراہیم ۷ ۱۴:۳

[3] سورۃ آل عمران ۳:۹۲

”ہر گز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جب وہی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے والا ہے۔“

”اِن باتوں کے بعد یُوں ہُوا کہ خُدا نے ابرؔہام کو آزمایا اور اُسے کہا اَے ابرہام! اُس نے کہا مَیں حاضِر ہُوں۔ تب اُس نے کہا کہ تُو اپنے بیٹے اِضؔحاق کو جو تیرا اِکلوتا ہے اور جِسے تُو پیار کرتا ہے ساتھ لیکر مؔوریا کے مُلک میں جا اور وہاں اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جَو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قُربانی کے طَور پر چڑھا۔[1].

حضرت ہاجرہؑ اپنے بیٹے کے ساتھ 'بیر سبع' نامی بیابان کو ہجرت کر گئے اور بعد از فاران کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ اور واقعہ قربانی کے بعد حضرت ابراہیمؑ بھی بیر سبع کی طرف جاتے ہیں[2]۔ اس سے واضع ہوتا ہے کہ قربانی میں حضرت اسماعیلؑ تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔ کیونکہ حضرت سارہؑ کنعان میں رہائش پزیر تھیں اور آپؑ کی وفات پر حضرت ابراہیمؑ کو وہاں سفر کر کے جانا پڑا۔ اور سارؔہ نے قرؔبت اربع میں وفات پائی۔ یہ کنعاؔن میں ہے اور حبؔرون بھی کہلاتا ہے اور ابرؔہام سارؔہ کے لِئے ماتم اور نوحہ کرنے کو وہاں گیا۔[3]۔ خدا نے حضرت ہاجرہؑ کے ساتھ کیا ہوا عہد ایک بار پھر دہرایا اور نشان کے لیے ایک کنواں جاری کر دیا جسے اسماعیلی روایات میں 'زم زم' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تالمودی ربیوں کی تفسیر سے یہ بات واضع ہو جاتی ہے اس فقرہ میں حضرت اصحاقؑ کا نام الحاقی ہے۔ جیسا کہ ربی بحیابن آشر روایت کرتے ہیں:

קח נא את בנך את יחידך אשר אהבת את יצחק. האריך הכתוב בלשון הצוואה כדי להגדיל המצוה. וזהו שדרז"ל **קח נא את בנך** איזה בן? א"ל **את יחידך**. זה יחיד לאמו וזה יחיד לאמו. א"ל **אשר אהבת**. שניהם אני אוהב, אמר לו **את יצחק**.

קח נא את בנך את יחידך אשר אהבת את יצחק, “please take your son, your only one, the one whom you love, etc.” The Torah describes G’d’s command as particularly long-winded in order to lend extra importance to the fulfillment of this commandment. Our sages in Tanchuma Vayera 22 phrase it thus: “When G’d said: ‘take your son,’ Avraham asked: ‘which son?’ When G’d continued: ‘the one whom you ‘love,’ Avraham countered: ‘I love them both.’ Finally, G’d said: ‘Yitzchak.’”[4]

1۔ 'پیدائش ۲۲:۲۔

[2] پیدائش ۲۲:۱۹

[3] پیدائش ۲۳:۲

[4] Bereshit 22:2

مفہوم: ”جب خدا نے کہا اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے لو تو ابراہیمؑ نے فرمایا کس بیٹے کو؟ خدا نے فرمایا جس سے تو سب سے زیادہ پیار کرتا ہے۔“

اسی طرح تفسیر رشی میں لکھا ہے:

את בנך .אָמַר לוֹ שְׁנֵי בָנִים יֵשׁ לִי, אָמַר לוֹ אֶת יְחִידְךָ; אָמַר לוֹ זֶה יָחִיד לְאִמּוֹ וְזֶה יָחִיד לְאִמּוֹ, אָמַר לוֹ אֲשֶׁר אָהַבְתָּ; אָמַר לוֹ שְׁנֵיהֶם אֲנִי אוֹהֵב, אָמַר לוֹ אֶת יִצְחָק) סנהדרין פ"ט .(וְלָמָּה לֹא גִלָּה לוֹ מִתְּחִלָּה? שֶׁלֹּא לְעַרְבְּבוֹ פִּתְאוֹם וְתָזוּחַ דַּעְתּוֹ עָלָיו וְתִטָּרֵף, וּכְדֵי לְחַבֵּב עָלָיו אֶת הַמִּצְוָה וְלִתֵּן לוֹ שָׂכָר עַל כָּל דִּבּוּר וְדִבּוּר :

את בנך THY SON — Abraham said to God, “I have two sons”. “He answered him, “Thine only son”. Abraham said, “This one is the only son of his mother and the other is the only son of his mother”. God then said, “the one whom thou lovest”. Abraham replied, “I love both of them”. Whereupon God said “even Isaac”. Why did He not disclose this to him at the very first? So as not to confuse him suddenly lest his mind become distracted and bewildered and in his confused state he would involuntarily consent, when there would have been no merit in his sacrifice, and so that he might more highly value God’s command and that God might reward him for the increasing sacrifice demanded by obedience to each and every expression used here .[1]

” ابراہم نے خدا سے کہا میرے دو بیٹے ہیں، خدا نے حکم دیا صرف اپنا اکلوتا بیٹا۔ ابراہم نے کہا یہ (اسماعیل) بھی اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے اور (اصحاق) بھی اپنی ماں سے اکلوتا بیٹا ہے۔ خدا نے کہا جس سے تو سب سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ ابراہم نے جواب دیا میں دونوں بیٹوں سے ہی پیار کرتا ہوں۔“

لیکن یہاں ابراہم کا اکلوتا مقصود تھا نہ کہ اس کی ازدواج میں سے کسی کا اکلوتا۔ مطالعہ بائبل کا کوئی بھی قاری یہ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ ہی تھے جب کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ تھے، علاوہ ازیں یہاں حضرت اسحاقؑ کو قربانی کے طور پر پیش کرنے کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا جبکہ آپؑ کی پیدائش سے قبل ہی ان کے والد کو کثرت نسل کی بشارت مل چکی ہے [2]۔ تو اس صورت میں آزمائش کی منتطق بالکل نہیں بنتی۔ یہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت اسماعیلؑ کے لیے بھی کثرت اولاد کا عہد پیدائش سے قبل ہو چکا تھا تو وہ عہد آپؑ کی والدہ سے ہوا تھا جبکہ آزمائش والد سے تھی جن کو عہد اسماعیلؑ کا علم نہیں تھا۔ جیسا کہ خداوند فرماتا ہے:

---

[1] Genesis Rabbah 55:7.

[2] پیدائش ۱۷:۱۹

" اُونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں ارد گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لبان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا[1]۔"

اور قربانی کا اتنا بڑا مجمع سوائے مکہ کے کسی اور جگہ نہیں ہوتا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں حضرت اسماعیلؑ کا نام قربانی کے لیے درج کیوں نہیں؟ قرآن پڑھنے والا قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اکلوتی اولاد کا ذکر ہو تو اس کے لیے نام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

دونوں عہدوں کا موازنہ:

یہاں اگر ہم حضرت ہاجرہؑ اور قربانی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے عہد کا موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے **حضرت ہاجرہؑ کے عہد** میں خدا تعالیٰ نے فرمایا" تیری اَولاد کو بہت بڑھاؤنگا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اُسکا شمار نہ ہو سکیگا۔ وہ گر خر کی طرح آزاد مرد ہو گا۔ اُسکا ہاتھ سب کے خِلاف اور سب ہاتھ اُسکے خِلاف ہونگے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہیگا۔"[2]

اور قربانی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں بھی خدا نے انہیں باتوں کو دہرایا" مَیں تجھے برکت پر برکت دُونگا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانِند کر دُونگا اور تیری اَولاد اپنے دُشمنوں کے پھاٹک کی مالِک ہوگی[3]۔"

جبکہ اس کے برعکس عہد اصحاقؑ پر خدا نے فرمایا " میں اُسے برکت دونگا کہ قَومیں اُسکی نسل سے ہونگی اور عالم کے بادشاہ اُس سے پَیدا ہونگے۔ اُسکی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھُونگا[4]۔"۔

تو اس سے واضع ہوتا ہے کہ عہد اسماعیلی قربانی سے پہلے اور بعد ایک ہی ہے جبکہ حضرت اصحاقؑ کے ساتھ وعدوں کا فرق ہے۔

---

[1] یسعیاہ۔ ۶۰:۶۔۷

[2] پیدائش ۱۶:۱۲

[3] پیدائش ۲۲:۱۷

[4] پیدائش ۱۷:۱۸

فدیہ:

اسی طرح بائبل میں متعدد مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ پلوٹھے کا ہی دینا فرض ہے" تیرے بیٹوں میں جتنے پہلوٹھے ہوں اُن سب کا فدیہ تُجھ کو دینا ہو گا۔[1]" ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ سب سے زیادہ پیار اپنے پلوٹھے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے کرتے تھے۔ اور حکم توریت کے مطابق پلوٹھے کا مال میں دگنا حصہ ہوتا ہے

" اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو۔ تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے۔ بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دُونا حصہ دیکر اُسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اُسکی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اُسی کا ہے۔"[2]

اس کے باوجود بھی مصنفین بائیبل نے حضرت سارہؑ کو ایک حاسد عورت کے طور پر پیش کیا ہے جسے ہر وقت اپنی سوتن حضرت ہاجرہؑ اور ان کے بیٹے سے جلن ہوتی تھی، جیسا کہ (پیدائش ۱۶:۵) میں جب حضرت ہاجرہؑ حمل سے تھیں تب بھی حضرت سارہؑ نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور (پیدائش ۲۱:۹) میں بھی جب بڑا بھائی اسماعیل اپنے چھوٹے بھائی اصحاق کے ساتھ کھیل رہا تھا تب بھی حضرت سارہؑ کو بائیبل کے مطابق بلکل اچھا نہیں لگا اور ایک بار پھر حضرت ہاجرہؑ پر اپنے دل کا غصہ نکال دینا بہتر سمجھا۔ یہ شریعت اور فضل کے مابین تصادم کی مثال ہے۔[3]۔ حالانکہ ربی بحیا بن آشر (Rabbi Bahya ben Asher) روایت کرتے ہیں کہ یہ صرف اپنے چھوٹے بھائی سے پیار کی علامت تھی جسے دیکھ کر سارہ کو حسد نے آگھیرا۔ پر ابرہام کو اُسکے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بُری معلوم ہوئی[4]۔

---

[1] خروج ۱۳:۱۳

[2] استثنا ۲۱:۱۵۔۱۷

[3] تفسیر الکتاب از ولیم میکڈونلڈ۔ مترجم، بشپ سموئیل ڈی۔ چند۔ ناشرین، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور

[4] پیدائش ۲۱:۱۱

جائیداد کا مسئلہ:

وہ خاتون جو کل تک حضرت ہاجرہؑ کی اولاد سے اپنا گھر آباد کرنا چاہتی تھی" سو تُو میری لَونڈی کے پاس جا شاید اُس سے میرا گھر آباد ہو"۔ آج اپنی گود ہری دیکھ کر حضرت ہاجرہؑ اور ان کے بیٹے کو اپنے گھر سے نکال دینے کا مطالبہ بھی کر ڈالا تب اُس نے ابرؔہام سے کہا کہ اِس لَونڈی کو اور اُس کے بیٹے کو نِکال دے کیونکہ اَس لَونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اصحاق کے ساتھ وارِث نہ ہو گا۔[1] یہاں مسئلہ صرف جائیداد کا ہے۔ کیونکہ پیسوپوٹیمیا کے قانون حمورابی میں لکھا ہے:

"170. If his wife bear sons to a man, or his maid-servant have borne sons, and the father while still living says to the children whom his maid-servant has borne: "My sons," and he count them with the sons of his wife; if then the father die, then the sons of the wife and of the maid-servant shall divide the paternal property in common. The son of the wife is to partition and choose.

171. If, however, the father while still living did not say to the sons of the maid-servant: "My sons," and then the father dies, then the sons of the maid-servant shall not share with the sons of the wife, but the freedom of the maid and her sons shall be granted. The sons of the wife shall have no right to enslave the sons of the maid; the wife shall take her dowry (from her father), and the gift that her husband gave her and deeded to her (separate from dowry, or the purchase-money paid her father), and live in the home of her husband: so long as she lives she shall use it, it shall not be sold for money. Whatever she leaves shall belong to her children[2]."

170۔ اگر کسی شہری کی پہلی بیوی سے اس کے بچے ہوں اور ایک لونڈی سے بھی بچے ہوں اور باپ اپنی زندگی میں ان بچوں کو جو لونڈی سے پیدا ہوئے ہیں، اپنے بچے کہے اور پہلی بیوی کے بچوں کے برابر رکھے تو باپ کی وفات کے بعد بیوی کے بچے اور لونڈی کے بچے جائیداد میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ تاہم بیوی کا وارث بیٹا اپنا حصہ پہلے منتخب کر کے لینے کا حقدار ہو گا۔

171۔ لیکن اگر باپ اپنی زندگی میں لونڈی کے بچوں کو اپنے بچے نہیں کہتا تو باپ کی وفات کے بعد لونڈی کے بچے بیوی کے بچوں کے ساتھ باپ کے گھر کی وراثت میں حصہ دار نہ ہوں گے۔ لونڈی اور اس کے بچے آزاد ہو جائیں گے اور بیوی کے بچے ان کو غلام نہیں بنا سکیں گے۔ بیوی اپنا

---

[1] پیدائش ۲۱:۱۰

[2] The Code of Hammurabi

جہیز اور خاوند سے ملنے والا حق مہر، جو اس نے تختی پر لکھا ہو، لے گی۔ اور اپنے خاوند کے گھر میں رہے گی جب تک وہ زندہ ہے ان چیزوں سے فائدہ اٹھا سکے گی۔ اور ان کو پیسوں کے بدلے فروخت نہ کر سکے گی۔ اس کے وارث اس کے بچے ہوں گے۔"

پروفیسر محمد اشرف چھینہ لکھتے ہیں:۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہو گی کہ جب حضرت سارہؓ نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو بے دخل کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت سارہؓ کے پاس خود کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کو ملک بدر کرنے کی درخواست کی تھی تا کہ حضرت اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی جائز وراثت سے محروم کیا جا سکے۔[1]

غلام احمدی[2] محقق اپنے مقالہ میں اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لیپت۔ اشتار کے قوانین کے مطابق دوسری بیوی کے بچوں کا وراثت میں برابر کا حصہ ہوتا ہے جبکہ لونڈی کے بچوں کا وراثت میں حصہ نہیں ہوتا۔ وراثت یہود کے لیے ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ ان کا یہ اصرار ہے کہ وہی خدا تعالیٰ کی منتخب شدہ قوم اور تمام برکات کے واحد وارث ہیں۔ اسی لیے بائیبل میں حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، افرائیم وغیرہ متعدد لوگوں کے متعلق استثنائی قصے بیان کر کے حق وراثت کا اصل حقدار کی بجائے کسی اور کو منتقل ہونا دکھایا گیا ہے۔ اسی طریق پر حضرت اسماعیلؑ کے وارث نہ ہونے کو ثابت کرنے کے لیے اُس زمانہ کے رائج قوانین کے موافق ایسے قصص بیان کیے گئے ہیں جن سے اس دعویٰ کو ایک بنیاد فراہم ہو۔ چنانچہ سفر پیدائش میں کہا گیا ہے کہ: اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہو گا۔ (سفر پیدائش باب 21، آیت 10۔) درحقیقت حضرت ہاجرہ کو لونڈی بیان کرنے اور ان پر مختلف الزامات لگانے کا بنیادی مقصد یہی نظر آتا ہے کہ بنو اسماعیل کو وراثت سے محروم دکھایا جائے۔"[3]

عہد اسماعیل کی تکمیل:

بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت سارہؓ کے حضرت ہاجرہؑ کو بے دخل کرنے کے مطالبہ کی حمات کرتا ہے، مگر یہاں حضرت سارہؓ کا حضرت ابراہیمؑ سے مطالبہ اور خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم دونوں مختلف نوعیت کے ہیں حضرت سارہؓ کی بات حضرت ابراہیم کو بری معلوم ہوئی تھی (۲۱:۱۱)۔ جبکہ خدا کا حکم حضرت ابراہیمؑ سے کیے گئے وعدہ کی تکمیل کی طرف تھا (۲۱:۱۳)۔ حضرت سارہؓ خدا کا عہد اپنے بیٹے سے پورا کرنا

---

1 Hagar: The Princess page 43-47

2 غلام احمدی یا قادیانی اہل کفار کا ایک گروہ ہے۔

3 حضرت ہاجرہؑ کون تھیں؟ حدیث ماکذب ابراھیم اِلا ثلاث پر ایک تحقیق۔ ڈاکٹر داؤد مجوکہ قادیانی۔ جرمنی

چاہتی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا (۱۸:۱۷) قبول فرمائی اور آپؐ کے پلوٹھے ایک بڑی قوم بنانے کے لیے روانہ کر دیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پسر کو برکت دیتے ہوے رخصت کیا کہ:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○[1]

"اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی، ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لیے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ لہٰذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے کشش پیدا کر دیجیے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایے۔ تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔"

افسوس کہ عبرانیوں نے اپنے ہی عہد میں کو بھی تحریف سے خالی نہ رکھا اور عہد اسماعیلی میں بھی بغض سے کام لیا۔ عہد اسحاقؑ کے لیے عبرانی اپنی روایات پر اعتبار کرتے ہیں اور عہد اسماعیلی کی روایات کو توڑ مڑور کر پیش کرتے ہیں جبکہ عہد اسماعیلی کے لیے ہمارے نزدیک عربیوں کے علاوہ کوئی دوسرا ماخذ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی آخری کتاب میں اس کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ مشنری پادری علامہ جے قلندر صاحب کو اس بات کا اعتراف ہے

" آنحضرت ﷺ نے بڑوں سے سنا تھا کہ ہمارا اصل دین، حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال بندھا اور تدبیر سوچی کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح خدا کی طرف پورا رجوع ہو جاوں اور اس کی عبادت اور بندگی کروں۔ لیکن دین ابراہیمی نہ کسی کو یاد رہا تھا اور نہ کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا۔ "[2]

مطلب موجودہ یہودی اور مسیحیت کے پاس دین ابراہیمی موجود نہیں ہے:

'' **והחכם** ר"א פי' מצחק משתעשע כדרך כל נער, ושרה אמנו קנאה בו שהיה גדול מבנה'' .

''Rabbi Avraham Ibn Ezra explains the word מצחק as meaning "playing." The activity was normal for any young boy but Sarah was jealous of the fact that Ishmael was senior to her son in years.[3]''

---

[1] ابراہیم۔ ۱۴:۳۷

[2] مقدمہ المسیحیت والاسلام۔ از علامہ جے قلندر ۱۸۹۵۔ صفحہ ۷۳

[3] Rabbeinu Bahya Bereshit.21.9.2

ربی ابراہام ابن عزرا وضاحت کرتے ہیں کہ: عبرانی لفظ '(מצחק' strong Hebrew 6711) چھوٹے بچے کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا عام بات تھی، لیکن سارہ اس حقیقت سے رشک کرتی تھی کہ اسماعیل اس کے بیٹے سے بڑا تھا۔

تالمود میں بھی اس بیان کے دلائل موجود ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ ہی حضرت اصحاقؑ کے بڑے بھائی اور حضرت ابراہیمؑ کے تیرہ سال تک اکلوتے بیٹے تھے۔

ربی داود کمچی اپنی تفسیر رداخ میں رقمطراز ہیں:

וירע הדבר...על אודות בנו, ''Even though Ishmael was the son of a slave-woman, he was at the same time also Avraham's son, and he loved him as a father loves one's son, especially seeing that he was his firstborn. He was merciful towards him like a father is merciful to all his children. Moreover, he had taught him to behave and had taught him the ways of the Lord.[1]."

''اگر اسماعیلؑ لونڈی کے بیٹے تھے تو اسی وقت آپ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے بھی تھے جنہیں حضرت ابراہیمؑ اپنے اکلوتے کی طرح پیار کرتے تھے خاص طور پر آپؑ حضرت ابراہیمؑ کے پہلے بیٹے تھے''

ابرہام کے بھائی نحور کے بارہ بیٹے تھے، جب کہ ابرہام کے صرف دو بیٹے تھے یعنی اِسمٰعیل اور اضحاق۔[2]

حضرت ابراہیمؑ کی اس کے علاوہ کچھ حرمیں اور ایک زوجہ حضرت قطورہؑ تھیں، جن سے آپ کی اولاد ہوئی لیکن آپ نے انہیں صرف زمینی جائیداد دے کر اپنے پاس سے روانہ کر دیا اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اصحاقؑ ہی آپ کے آخری وقت تک آپ کے ساتھ رہے، جیسا کہ لکھا ہے

'' اپنی حرموں کے بیٹوں کو ابرؔہام نے بہت کُچھ اِنعام دیکر اپنے جیتے جی اُنکو اپنے بیٹے اِضؔحاق کے پاس سے مشرق کی طرف یعنی مشرِق کے مُلک میں بھیج دِیا۔ اور ابرؔہام کی کُل عمر جب تک کہ وہ جیتا رہا ایک سَو پچھتّر برس کی ہوئی۔ تب ابرؔہام نے دم چھوڑ دِیا اور خُوب بُڑھاپے میں نہایت ضعیف اور پُوری عمر کا ہو کر وفات پائی اور اپنے لوگو میں جامِلا۔ اور اُسکے بیٹے اؔضحاق اور اِسؔمٰعیل نے مکفیلہؔ کے غار میں جو ممؔرے کے سامنے حِتؔی صُحر کے بیٹے عِفرؔون کے کھیت میں ہے اُسے دفن کیا۔[3]

---

[1] Radak_on_Genesis.21.11.1

[2] تفسیر الکتاب از وِلیم میکڈونلڈ۔ مترجم، بِشپ سموئیل ڈی۔ چند۔ پیدائش ۲۰:۲۲۔ ناشرین، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶فیروز پور روڈ، لاہور

[3] پیدائش ۲۵:۶۔۹

پس یہی وہ عہد تھا جو خدا تعالی نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ باندھا، اور حضرت اصحاقؑ کی نبوت کو نبی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰؑ پر جبکہ حضرت اسماعیلؑ کی نبوت کو حضرت محمد ﷺ پر مکمل کر کے ابدی عہد پر مہر ثبت کر دی۔ اب خدا تعالی حضرت عیسیٰؑ کو عہد اسماعیلی میں بھیج کر حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں کے عہد کو پھر سے ایک کر دیں گے۔

نحمیاہ کی کتاب کا تحقیقی جائزہ

محمد فرمان شیخ (المعروف عبداللہ غازیؔ)[1]
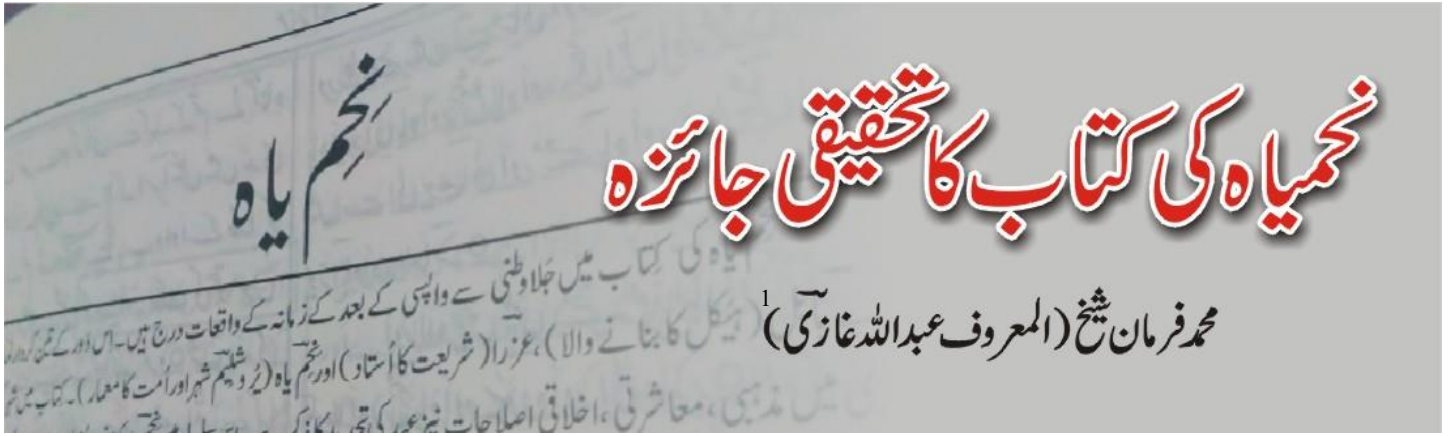
جب بھی بائبل مقدس کا نام سامنے آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی عہدِ قدیم و عہدِ جدید جیسے الفاظ بھی ساعت سے ٹکراتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ڈاکٹر موریس بوکائے کچھ اس طرح سے دیتے ہیں۔

"عہد نامہ قدیم ایسی کتابوں کا مجموعہ ہے جن کی ضخامت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اندازِ بیاں بھی بڑی حد تک مختلف، وہ نو سو سال سے زیادہ مدت میں کئی زبانوں میں لکھی گئی مگر ان کی بنیاد زبانی روایتوں پر ہی رہی، ان میں کئی کتابوں کی واقعات اور مخصوص ضروریات کے تحت اصلاح کی گئی اور ان کو اسی طرح مکمل کیا گیا۔ اکثر یہ کام ایسے ادوار میں ہوا جن کے درمیان کافی فصل ہے۔"[2]

اگر بات صرف زبانی روایات سے منتقل ہو کر ان کو ضبطِ تحریر لانے تک ہی محیط رہتی تو معاملہ کچھ مشکل نہ تھا لیکن مرورِ زماں کے ساتھ مخصوص مقاصد کے تحت اصلاح کے نام پر کی گئی حک و تحذیف اس کو خاصہ مشکوک بنادیتی ہے۔ یہ تشکیک اس وقت خاصی پیچیدگی اختیار کرلیتی ہے جب عہد قدیم میں مشمول کتب کے مصنفین کے درست انتساب کا معاملہ سر اٹھاتا ہے۔(Pseudepigrapha) سوڈیپائی گرافا اہمیت کی حامل کتب کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ نبیوں کا کلام ہے اور انہیں وہی برگزیدہ ہستیاں صفحہ قرطاس پر لانے کا موجب بنی ہیں جن کی طرف یہ کتب منسوب ہیں۔ کیا حقیقت وہی ہے جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے؟ چنانچہ یہ سوال خاصی اہمیت اختیار کرجاتا ہے کہ عہد قدیم میں شامل کتب کن اشخاص کی تصنیفات ہیں؟ کلیسائے دعویٰ کے موافق کیا واقعی یہ کتب انہی اشخاص کی ہیں جن کی طرف یہ منسوب کی جاتی ہیں؟ علماء کی رائے سے ناواقف اور تحقیقِ محقق سے بہرور قاری ان کتب کو عقیدت کی عینک لگا کر کلیساء کے دعویٰ کے مطابق انہی منسوب شخصیات کا سمجھ کر مطالعہ کرتا ہے اور کبھی اس سچائی کا ادراک نہیں کرپاتا کہ زیرِ مطالعہ تحاریر کن اشخاص کے قلم سے وجود میں آئیں؟

---

[1] محمد فرمان شیخ: ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل، فاضل تقابل ادیان

[2] قرآن بائبل اور سائنس، مصنف ڈاکٹر موریس بوکائے، صفحہ 34

یوں تو عہدِ جدید 39 کتب پر مشتمل ہے لیکن ہماری مبحوث کتاب عہد قدیم میں شامل نحم یاہ کی کتاب ہے۔ کیا یہ کتاب واقعی نحم یاہ نبی کی تحریر کردہ ہے؟ کیا کلیساء اپنے اس دعویٰ میں صادق ہے کہ نحم یاہ کتاب کا مصنف نبی ہے؟ اگرچہ اس طرز کے کافی سوالات یہاں پیدا ہوتے ہیں لیکن ان سب سے کچھ وقت کے لئے اعراض کرتے ہوئے ہم اس امر کی تنقیح کریں گے کہ کیا یہ کتاب واقعی نحم یاہ کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر موریس بوکائے لکھتے ہیں۔

"تواریخ اول، دوم، عزرا اور نحم یاہ کا مصنف ایک ہے جس کو وقائع نگار کہا جاتا ہے اور جس نے چوتھی صدی عیسوی میں تصنیف کا کام کیا۔ وہ تخلیق کی تمام تاریخوں کو دہراتا ہے حالانکہ اس کے نسب ناموں کا سلسلہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام تک جاتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ کتاب سموئیل اور کتاب سلاطین کو کام میں لایا ہے۔ تناقضات اور تضادات کا خیال کئے بغیر وہ میکانکی طریقے سے ان کی نقل کر دیتا ہے (ای جیک) لیکن اس کے باوجود وہ ان صحیح حقائق کا اضافہ کر دیتا ہے جن کی تصدیق و توثیق اثریات نے کر دی ہے۔ ان کتابوں میں تاریخ کو دینی ضرورتوں کے مطابق بنانے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ ای جیکب کا کہنا ہے کہ مصنف بعض اوقات تاریخ کو دینیات کے مطابق لکھتا ہے[1]۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے ہمیں اس سوال کا جواب تو مل جاتا ہے کہ اس کتاب کا وجود کن ضروریات کے تحت ہوا اور اس میں کیوں اصلاح کی گئی؟ لیکن ساتھ ساتھ چند توضیح طلب نکات بھی سامنے آجاتے ہیں۔

1۔ نحم یاہ کی کتاب کا مصنف مجہول ہے اور یہی مجہول مصنف نحم یاہ سمیت عزرا اور تواریخ اول و ثانی کا بھی مصنف ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔ مصنف کا مجہول ہونا ان کتب کو اسنادی اعتبار سے سوڈیبائی گرافا کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

2۔ ڈاکٹر موریس بوکائے کی تحقیق کی توثیق چرچ بھی کچھ اس طرح سے کر دیتا ہے۔ "ابتداء میں عزرا اور نحم یاہ ایک ہی کتاب تھی جس میں تاریخ بیان کی گئی ہے۔[2]

3۔ سلاطین اور سموئیل کی کتاب کو ماخذ بنانے کے باوجود نحم یاہ کے مصنف نے تناقضات اور تضادات کی بھرمار کی ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مطمع نظر مقدس صحائف کی تدوین کے بجائے فقط قومی تاریخ کی حفاظت تھی۔

---

[1] قرآن بائبل اور سائنس، مصنف ڈاکٹر موریس بوکائے، صفحہ 47

[2] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، صفحہ 818، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مطبوعہ 2010ء

4۔ نحم یاہ کا مصنف بہت سے ایسے حقائق کی درستگی اور اضافہ بھی کرتا ہے جو سلاطین و سموئیل کی کتابوں میں غلط مذکور تھے یا پھر ناگزیر وجوہات کی بناء پر انہیں عنقاء کر دیا گیا تھا۔

5۔ نحم یاہ کی وجہ تخلیق تاریخ کو دینی ضرورت کے تحت لانا ہے اور بوقتِ تحریر اسی کا التزام کیا گیا۔ عجیب بات ہے کہ کسی بھی الہامی کتاب کی صداقت تاریخ سے ثابت کی جاتی ہے لیکن یہ کرشمہ بائبل میں ہی وقوع پذیر ہوتا ہے کہ یہاں مذہب کی صداقت تاریخ سے ثابت کرنے کے بجائے تاریخ کو مذہب کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ بائبل میں ایسے مقامات کی بھرمار ہے مگر فی الوقت ہمارا یہ موضوع نہیں لہذا فقط ایک ہی مثال پر اکتفاء کروں گا۔ ڈاکٹر موریس بوکائے لکھتے ہیں۔

"من سی نامی بادشاہ جو ایک بدمذہب جابر شخص تھا وہ اس بادشاہ کے اشوریہ کے قیام کے دوران عقائد کی تبدیلی کا مفروضہ قائم کرتا ہے[1] حالانکہ کسی بائبل یا غیر بائبل کے ماخذ میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ عزرا اور نحم یاہ پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ اس لئے کہ ان میں مبہم نکات بھرے پڑے ہیں اس لئے کہ جس دور سے ان کتابوں میں بحث کی گئی ہے (چوتھی صدی قبل مسیح) خود اس کے بارے میں زیادہ اچھی معلومات نہیں ہیں کیونکہ اس دور سے متعلق غیر بائبلی دستاویزات موجود نہیں ہیں[2]۔"

ڈاکٹر موریس بوکائے کے دعویٰ کو چرچ بھی ان الفاظ سے تقویت دیتا ہے۔

"نحم یاہ اور عزرا شروع میں ایک ہی کتاب تھیں۔ نحم یاہ کی کتاب اس وجہ سے خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس دور کی اسرائیل کی تاریخ کا واحد بائبلی ماخذ ہے[3]۔"

مترشح یہی ہوتا ہے کہ ایک ایسی مجہول المصنف کتاب (جسکی اسنادی حیثیت زیادہ سے زیادہ فردِ واحد کی گواہی سمجھی جاسکتی ہے) پر بنی اسرائیل کی "مستند ترین" تاریخ ہونے کا کھونٹا گاڑ دیا جاتا ہے اور فقط اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ مستزادِ ظلم یہ کہ اسکو حرف بحرف الہامی اور خدا کا کلام ہونے کا بھی درجہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ ایک ایسی کتاب جو ہر دور میں قطع و برید کرنے والے قلم کا تختۂ مشق بنی رہی، جس میں تناقضات و تضادات کی بھرمار رہی، جس کو دینی ضروریات کے تحت "مع اضافہ جات" تحریر کیا گیا۔ ایسی کتاب کو الہامی کا درجہ دینا ماورائے عقل ہے اگرچہ ضبط تحریر کے وقت کاتب و مصنف کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ وہ مقدس ادب تخلیق کرنے جارہے ہیں۔ صرف نحم یاہ

---

[1] تواریخ ثانی 33:11

[2] قرآن بائبل اور سائنس، مصنف ڈاکٹر موریس بوکائے، صفحہ 47

[3] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، صفحہ 839، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مطبوعہ 2010ء

کی کتاب کا ہی یہ حال نہیں ہے بلکہ اس معاملے میں پوراعہدِ قدیم نحم یاہ کا ہمرکاب ہے لیکن ان سب حقائق سے چشم پوشی کر کے ان کتابوں کو الہامی گردانا جاتا ہے۔

صحتِ کتاب سے بحث کے بعد اب یہ امر بھی متقاضی جواب ہے کہ اس کتاب کا مصنف فی الحقیقت ہے کون؟ اگر چرچ کے دعویٰ کے موافق نحم یاہ کو ہی اس کا مصنف تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخی اور بائبلی شہادات کے مطابق نحم یاہ کی شخصیت کس حیثیت کی حامل ہے؟ آیا کہ وہ نبی ہیں یا کاہن؟ یا پھر ان دونوں کے علاوہ کچھ اور؟ یہودی اور مسیحی علماء نحم یاہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ایک مبتدی قاری کے مافی الضمیر میں اس وقت جنم لیتے ہیں جب وہ خالی الذھن ہو کر نحم یاہ کا مطالعہ شروع کرتا ہے۔ ان سوالات کا جواب جاننے کے لئے پہلے ہم پادری برکت اللہ صاحب سے رجوع کرتے ہیں۔ موصوف اپنی کتاب "صحت کتبِ مقدسہ" میں لکھتے ہیں۔

"ان ساری باتوں کے سبب ہم ایک سچا عہد کرتے اور دیکھتے ہیں اور ہمارے امراء اور ہمارے لاوی اور ہمارے کاہن اسی پر مہر کرتے ہیں اور وہ جنہوں نے مہریں ثبت کیں یہ ہیں۔ نحم یاہ، ترشاتا، صدقیاہ، عزریاہ چوراسی اشخاص نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ یہودی روایات کے مطابق یہ چوراسی اشخاص "عبادت خانہِ عظیم" میں جس کا ذکر نحم یاہ 8 تا 10 باب میں ہے، کے اراکین تھے اور خدا کے برگزیدہ اور چنیدہ اشخاص تھے"[1]

پادری صاحب متحدیانہ انداز میں بڑے طمطراق سے نحم یاہ کے نبی ہونے کا نہ صرف دعویٰ قائم کرتے ہیں بلکہ اُس کو خدا کے حضور عہد میں شامل ہو کر عہد کی گواہی دینے والوں کی صف میں بھی شامل کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں پادری صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"روایات کے مطابق حضرت عزرا اس "عبادت خانہِ عظیم" کے صدر تھے اور مختلف زمانوں میں حضرت دانی ایل، حضرت حجی، حضرت زکریا، حضرت ملاکی، حضرت زربابل اور حضرت نحم یاہ وغیرہ اس کے اراکین میں سے تھے۔ چنانچہ مشنا میں آیا ہے کہ "خدا نے موسیٰ کو کوہ سینا پر تورات دی اور اس نے یشوع کو اور دیگر بزرگوں کو دی جنہوں نے اسے انبیاء اللہ کے سپرد کیا اور انبیاء نے اس کو عبادت خانہِ عظیم کی سپردگی میں دیا۔ مذکورہ بالا یہودی روایات مبالغہ اور رنگ آمیزی سے خالی نہیں بہر حال یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت عزرا کے گرد فاضل معلموں کا ایک حلقہ جمع ہو گیا تھا[2]

---

[1] صحت کتبِ مقدسہ، مصنف پادری برکت اللہ، صفحہ نمبر 93، پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، مطبوعہ 1952ء

[2] صحت کتبِ مقدسہ، مصنف پادری برکت اللہ، صفحہ نمبر 94، پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، مطبوعہ 1952ء

عزرا 8:16

غلو کے پیراہن میں لپٹی روایات پر یقین کرنا اتنا سہل نہیں جتنا نظر آتا ہے خود پادری صاحب بھی اس کے معترف ہیں لیکن اس کے باوجود پادری برکت اللہ صاحب اس سے مستدل ہو کر نحم یاہ کے متعلق نبی ہونے کا دعویٰ قائم کر دیتے ہیں۔ ان کے اس فعل سے خود ان کی مبالغہ آمیز تحدی پر مبنی تحریر مشکوک ہو جاتی ہے سو توضیحِ مسئلہ کے لئے دوسری شہادات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ نحم یاہ کو تاریخی شواہد سے نبی ثابت کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ مسیحی علماء دعویٰ قائم کرتے ہوئے اسی کو دلیل بنا کر معتقد قاری کو مطمئن کر دیتے ہیں یا پھر نحم یاہ کے تعارف میں سکوت اختیار کرنے میں عافیت سمجھ لی جاتی ہے۔ اول الذکر کی مثال پادری برکت اللہ صاحب کا استدلال ہے جبکہ مؤخر الذکر کی بہترین مثال پاکستان بائبل سوسائٹی سے شائع ہونے والی کتاب "معتدبہ کلام مقدس" ہے جس میں نحم یاہ کا تعارف کرتے ہوئے مرقوم ہے۔

"نحم یاہ نامی ایک یہودی شاہ فارس ارتخششتا اول کے دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اسے خبر ملی کہ یروشلم اب بھی کھنڈر ہے [1]۔

مصنف نحم یاہ کے نبی ہونے یا نہ ہونے پر چشم پوشی کرتے ہوئے اس کے فقط یہودی ہونے کی تو خبر دیتا ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ خبر نہیں دیتا۔ مصنف کی یہ معنی خیز خاموشی غیر ضروری نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ معاملہ ایک ایسی الہامی کتاب کا ہے جس پر مذہب کی حقانیت کی بنیاد استوار کی جاتی ہیں چنانچہ چرچ کے اس مایوس کن رویے کا ازالہ پادری ایف ایس خیر اللہ صاحب ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

"نحم یاہ ارتخششتا بادشاہ کا ساقی تھا [2] یہاں لفظ ساقی مروجہ معنوں میں مستعمل نہیں ہے بلکہ ایک اہم اور ذمہ دارانہ عہدے کو ظاہر کرتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ بادشاہ نحم یاہ سے بڑے دوستانہ لہجے میں بات کرتا ہے اور پھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نحم یاہ کے سفر کو "رخصت" تصور کرتا ہے۔" آگے چل کر پادری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ نحم یاہ ہوسن کے محل میں شاہی افسر تھا لیکن اس کا دل یروشلم میں اٹکا ہوا تھا [3]۔

جس معاملے پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی اس کو پادری صاحب کے الفاظ نحم یاہ کی حیثیت بتا کر عیاں کر دیتے ہیں۔ مگر پھر یہ مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شرابی انسان خدا کے کلام کا ملہم ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہارون علیہ السلام کو دیئے گئے خدائی حکم [4] کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ خدا کے برگزیدہ خداوند کے حضور شراب نہیں پئیں گے؟ کیا شرعی احکامات کی تحقیر و تنقیص کرنے والے ہی شریعت کی کتابوں میں شامل کتاب کے

---

[1] معتدبہ کلام مقدس، صفحہ 23، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مطبوعہ 2013

[2] نحم یاہ 1:11۔2:1

[3] قاموس الکتاب، مصنف پادری ایف ایس خیر اللہ، صفحہ 1030، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، مطبوعہ 2011ء

[4] احبار 10:9

مصنف بن سکتے ہیں؟ شریعت کی کتاب تو صاف صاف حکم دیتی ہے کہ خداوند کے برگزیدہ شراب اور نشہ دار چیزوں سے پرہیز کریں اور شراب کا سرکہ یا نشہ آور سرکہ نہ پئیں [1]۔

جب کلیسائی دعویٰ کے مطابق خدائی کلام کے ملہم افراد ہی علی الاعلان شریعت کو پامال کریں گے تو عوام الناس سے شریعت پر عمل کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ نحمیاہ کا شرابی ہونا فقط فرد واحد کی رائے ہی نہیں ہے بلکہ نحمیاہ کی کتاب کے ابتداء میں ہی خود اس بات کی صراحت موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ چرچ کو بھی اس مؤقف کا ہم رکاب ہونا ہی پڑا۔

نحمیاہ یہودی تھا۔وہ شاہ فارس ارتخششتا کا ذاتی خدمت گار تھا۔اس حیثیت سے اس کا فرض تھا کہ بادشاہ کے آرام وسکون کا خیال رکھے وہ بادشاہ کا ساقی تھا اور ہر روز مے پیش کرنا اس کی خاص ذمہ داری تھی۔۔۔ساقی کا فرض ہوتا تھا کہ بادشاہ کو مے پلانے سے قبل اسے خود چکھے تاکہ یقین ہو جائے کہ اس میں زہر نہیں ملایا گیا[2]۔

مذکورہ بالا اقتباس نحمیاہ کے عامی وساقی ہونے پر تو دال ہے مگر کسی صورت بھی اُس کے نبی ہونے پر مشیر نہیں ہے۔اس سے پادری برکت اللہ صاحب کے دعاویٰ کی جڑ کلی طور سے کٹ جاتی ہے کہ نحمیاہ نبی اور خدا کا چنیدہ بندہ تھا۔یہاں پر کلام مقدس کے امینِ اول یہودی علماء بھی پادری برکت اللہ صاحب کے دعویٰ کے مخالف کھڑے نظر آتے ہیں۔یہودیوں کے نزدیک ہر وہ شخص انبیاء میں شمار نہیں کیا جاتا تھا جو دنیوی دربار سے تعلق رکھتا ہو۔اس یہودی مؤقف کا اقرار مسیحی مادر کلیساء کیتھولک چرچ بھی کرتا ہے۔بائبل میں شامل دانیال کی کتاب کے تعارف میں چرچ دانیال کے نبی ہونے کی ان الفاظ میں تردید کرتا ہے "گو یہودی اُسے انبیاء میں شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ شاہی دربار میں اعلیٰ دنیوی رتبہ پر فائز تھا[3]" جب یہودی دانیال کے نبی ہونے کی تردید اسی پیمانے پر کر دیتے ہیں تو پھر نحمیاہ کی نبی ہونے کی تغلیط کیوں نہیں؟ لاریب وہ بھی دنیوی رتبہ میں دانیال کا ردیف ہے۔علمائے یہود اور مادر کلیساء دونوں کا مؤقف سامنے آنے کے بعد کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی لیکن اتمام حجت کے لئے معروف علمی خانوادے سے تعلق رکھنے والے مشہور مسیحی اسکالر فادر پرویز عمانوئیل "جو کہ یروشلم عبرانی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہیں" کا قول ذکر کرنا بھی مناسب سمجھونگا۔فاضل مصنف رقم طراز ہیں۔

---

[1] گنتی 6:2

[2] کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، صفحہ 831، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مطبوعہ 2010ء

[3]۔ کلام مقدس، کاتھولک بائبل کمیشن، صفحہ 1064، اشاعت نہم، مطبوعہ 2007ء

پرانے زمانہ میں بادشاہوں کو قتل کرنے کا محفوظ اور مؤثر ترین طریقہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ بادشاہ کے کھانے میں زہر ملوادیا کرتے تھے، بادشاہ اس خطرے سے آگاہ ہوتے تھے اور ایسے ملازمین رکھا کرتے تھے جن پر انہیں پوراپورا اعتماد ہو۔ ایسے لوگ بادشاہ کی نظر میں نہایت مقبول اور اہل دربار کے روبرو قابلِ احترام ہوتے تھے۔ نحمیاہ بھی ایک ایسا ہی خوش قسمت شخص تھا۔ وہ فارس کے بادشاہ کا مئے نواز تھا، جو مئے بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتی تھی اس کو پہلے نحمیاہ چکھتا تھا اور جسے وہ قابل نوش قرار دیتا بادشاہ صرف وہی مئہ پیتا تھا۔ اس طرح نحمیاہ ایک راست باز اور قابل اعتماد شخص تھا[1]۔

بغیر کسی ابہام کے یہ متیقن ہوچکا ہے کہ نحمیاہ ہرگز نبی نہیں تھا بلکہ بادشاہ کا ساقی تھا۔ فادر پرویز عمانوئیل صاحب نحمیاہ کو ساقی ہونے کے باوجود راست باز قرار دے دیتے ہیں۔ کیا راستباز ہونے کے لئے شرابی ہونا ضروری ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو بائبل میں شراب سے ممانعت چہ معنی وارد؟ کیا شراب کے متوالے مقدس متون کے خالق ہوسکتے ہیں؟ تدبرِ قلیل ہی اس بات کو کسی صورت بھی تسلیم نہیں کرتا کہ یہوواہ کی نظر میں شرابی کبابی افراد بھی چنیدہ وبرگزیدہ بن سکتے ہیں۔ اس سے نحمیاہ کی کتاب کے غیر ملہم ہونے کی وثاقت توثابت ہوجاتی ہے لیکن یہ سوال ابھرتا ہے کہ اِس کتاب کی تصنیف کے وقت نحمیاہ کا مطمع نظر کیا تھا؟ آخروہ کون سی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے یہ کتاب عدم سے وجود میں آئی؟ ان سوالات کا جواب کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت کچھ اس طرح دیتی ہے۔

عزرا اور نحمیاہ کے مصنف نے غالباً کئی مختلف ماخذ استعمال کئے ہیں سب سے اہم وہ ہیں جو صیغہ واحد متکلم میں ہیں۔۔۔ عزرا باب 8-10 اور نحمیاہ باب 8-9 اسی بنیاد پر تالیف ہوئے ہیں۔ دوسرا اہم ماخذ نحمیاہ کی یادداشتیں یا نحمیاہ کی آپ بیتی ہے۔۔۔ مصنف نے کئی سرکاری دستاویزات سے بھی استفادہ کیا ہے جو آرامی زبان میں لکھی گئی تھیں اور لوگوں کی بہت سے فہرستوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔[2]

چرچ کی طرف سے مقر حقیقت سے یہ بات واضح ہوئی کہ مصنف نجی طرز کی تاریخ مدون کررہا تھا الہامی طرز کی تحریر کا تصور تو اس کے ذہن کے حواشی تک سے مفقود تھا اور پھر مسلمہ حقائق میں سے یہ بات بھی ہے کہ نحمیاہ کا نبی ہونا کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اس مؤقف اور یہودی اور مسیحی علماء کا اجماع ہے اور تاریخ بھی نحمیاہ کی کتاب کے الہامی ہونے کی نہ صرف بیخ کنی کردیتی ہے بلکہ اس کتاب کے نحمیاہ سے

---

[1]۔ خداوند فرماتا ہے، مصنف فادر پرویز عمانوئیل، صفحہ 40، جان پال اکیڈمی جھنگ

[2]۔ کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت، صفحہ 817، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، مطبوعہ 2010ء

منتسب ہونے کے بھی بخیے ادھیڑ دیتی ہے۔ خود مصنفِ نحم یاہ ہی اُس کے مئہ نوش ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ ان تمام صورتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نامعلوم مقاصد کے حصول کے لئے اس کتاب کو الہامی ہونے کا درجہ دیا گیا۔

ان تمام حقائق کے باوجود ایک تشنگی ابھی بر قرار ہے۔ وہ یہ کہ ایک یہودی غلام غیر یہودی بادشاہ کا اتنا قریبی معتمد خاص کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو بادشاہ کے حرم تک رسائی ہو؟ بظاہر سادہ نظر آنے والا سوال اپنی ذات میں کئی پیچیدگیاں جنم دیتا ہے۔ ایک غلام ساقی کے لئے بادشاہ کے محل کے دروازے منفتح ہو جانا اور پھر اس کو افسر شاہی بنا دینا اتنا آسان معاملہ نہیں کہ اس سے اعراض برت لیا جائے۔ کیا بادشاہ کو اتنی نوازشات کے باوجود اپنے غلام سے بغاوت کا خطرہ نہ تھا؟ یا پھر شراب کے نشے میں ہمہ وقت مستغرق نحم یاہ اتنا ہی بے ضرر تھا کہ بادشاہ نے اسکو توجہ دینا مناسب نہیں سمجھا؟ اس پیچیدگی کو مرتفع کرنے کے لئے مسیحی مادر کلیساء کیتھولک چرچ" جو کہ روزِ اول سے ہی کلام مقدس کا امین چلا آرہا ہے "سامنے آتا ہے اور ان تمام سوالات کا جواب ایک سطر میں دے کر تمام ابہامات کو رفع کر دیتا ہے۔ کیتھولک بائبل کمیشن کے تحت شائع ہونے والے "کیتھولک سلسلہ تفسیر" کے تحت شائع ہونے والی کتاب "بنی اسرائیل کی تاریخ" میں مذکور ہے۔

" نحم یاہ ایک یہودی خواجہ سرا اور سوسن کے مقام پر فارس کے دربار میں ارت احش استا اول کا جام بردار تھا۔[1]

زہریلے ناگ کی طرح پھن اٹھائے تمام سوالات کا قلع قمع یہ عبارت کر تو دیتی ہے مگر نحم یاہ کی ذات کے ایسے پہلو پر سے پردہ اٹھا دیتی ہے جس کو مسیحی علماء عمداً نسیان کا شکار ہو کر ترک کرتے رہے۔ نحم یاہ کا بادشاہ کا منظورِ نظر ہونا، حرمِ شاہی تک اس کی رسائی ہونا، شاہی افسر ہوتے ہوئے خفیہ سرکاری دستاویزات کو اپنی تصنیف میں مستعمل کرنا ایسے امور ہیں جن پر ایک خوجہ سرا ہی پورا اتر سکتا ہے۔

یہاں آکر ہمارا مضمون اس دعا کے ساتھ ختم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سچائی کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب قول ہے کہ تم سچائی سے واقف رہو سچائی تمہیں آزاد کرائے گی۔

---

[1]151۔ بنی اسرائیل کی تاریخ، صفحہ 73، کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان، مطبوعہ 2013ء

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی، تلبیس ابلیس کے نام سے، یعنی شیطان کا جال۔ اس کتاب میں انہوں نے مختلف طبقات مثلا علماء، صوفیاء، مجاہدین، قراء وغیرہ کو شیطان کس طرح گمراہ کرتا ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت ہی عمدہ کتاب ہے۔

شیطان کے بارے ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ وہ بہت ذہین ہے یا ایک معاملے میں کم از کم بہت ذہین واقع ہوا ہے اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کا معاملہ ہے۔ جیسے عورتیں گھریلو سیاست میں ذہین ہوتی ہیں کہ یہ ان کا میدان ہے تو اسی طرح شیطان گمراہ کرنے میں ذہین ہوتا ہے کہ دن رات اس کا یہی کام ہے۔ شیطان کی پیروی سے بچنے کے لیے تقوی کے ساتھ ذہانت کی بھی ضرورت ہے۔ وہ مذہبی ذہن کو مذہب کے نام پر الجھن میں ڈالتا ہے۔

آجکل مذہبی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کی چالیں کیسی ہوتی ہیں مثلا ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو ذکر سے تر رکھے تو شیطان اس کو کبھی وسوسہ ڈالے گا کہ بہت گناہ گار ہے، استغفار پڑھ۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں خیال ڈالے گا کہ زیادہ بہتر ہے کہ درود شریف کا ورد کیا کرو کہ اللہ کی رحمت بھی نازل ہو گی۔ کچھ دیر بعد اسے کہے گا کہ اللہ کے تجھ پر اتنے انعامات ہیں تو کچھ ان کا شکر بھی ادا کر لو۔ اب انسان اسی سوچ میں الجھ جائے گا کہ میں استغفار کروں، درود شریف پڑھوں یا تسبیح و تہلیل کو ترجیح دوں، الجھن آگے آجائے گی اور ذکر پیچھے رہ جائے گا۔

وہ مدرسہ کے ایک استاذ کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ دینداروں کو دین دار بنانا بھی کرنے کا کوئی کام ہے، کام کرنے کا میدان تو یونیورسٹی کا ہے، وہاں جا کر دین کا کام کرنا چاہیے۔ اور جو مدرسے کا فارغ یونیورسٹی پہنچ جائے گا، اسے وہ یہ وسوسہ ڈالے گا کہ یہاں تو اتنی بے حیائی ہے، نہ ہی طلبا میں دین کا شوق ہے تو بے طلبوں کو پڑھانے کا کیا فائدہ؟ قربانی دو اور مدرسہ میں جا کر پڑھاؤ۔

---

1 اسسٹنٹ پروفیسر: مساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

وہ ایک مدرسہ کے طالب علم کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ یہاں کے استاذ اچھے نہیں ہیں، دوسرے مدرسہ میں جانا چاہیے، وہاں بہت اچھی پڑھائی ہے۔ اور یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دنیاوی تعلیم کس کام کی؟ اسے درمیان میں چھوڑو اور مدرسہ جوائن کرو۔ مدرسہ کے طالب علم کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ اگر دین کا کام کرنا چاہتے ہوں تو جدید تعلیم ہونی چاہیے لہذا مدرسہ چھوڑو اور یونیورسٹی جوائن کرو۔

وہ تبلیغی کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ سوشل میڈیا پر تبلیغ کرو کہ ساری دنیا تو وہاں بیٹھی ہے اور سوشل میڈیا پر بیٹھے ہوئے کو کہے گا کہ اب فیس بک پر کیا خاک تبلیغ ہو گی، تبلیغ تو میدان میں جا کر دھکے کھانے سے ہوتی ہے۔ وہ اسلامی تحریک کے کارکن کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ تمہاری زیادہ ضرورت تزکیہ نفس کے لیے بیعت ہونا ہے اور رہا بیعت ہونے والا مرید، تو اسے وہ نہیں چھیڑ تا جیسا کہ کچھ اور لوگوں کو بھی نہیں چھیڑ تا کہ وہ اپنے آپ سے مطمئن ہیں۔ اور یہ انہیں چھیڑ تا ہے جو اپنے آپ سے مطمئن نہ رہتے ہوں۔ بھئی، واقعی میں کوئی دین کا کام کرنا چاہتے ہو تو جس حالت میں ہو، اسی میں سب سے بہتر کام کر سکتے ہو، بس احسان پیدا کر لو اور مریدوں والا اطمینان۔

اپنا مضمون / مقالہ بھیجیں

علوم اسلامیہ و عصری تعلیم۔کالج،یونیورسٹی،اور فاضلین جامعات متوجہ ہوں

الاسلام ریئل کے آنے والے شمارے کے لیے اپنے مضامین/مقالہ جات/ریسرچ پیپر ارسال فرمائیں

ہمارا مقصد صرف اسلام کی طرف اٹھنے والے ہر فتنہ کا علمی جواب دینا ہے اور اس کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا۔

موضوعات۔دفاع اسلام۔دفاع قرآن۔دفاع حدیث۔ختم نبوت و ناموس رسالت۔تقابل ادیان۔

ردالحاد۔ردفتنہ جدیدیہ۔اسلامی تاریخ۔اسلامی سائنس۔مغربیت اور عصر حاضر

آپ کے سابقہ مضامین HEC کے جرنلز یا کسی بھی رسالہ میں شائع ہوچکے ہیں اور علمی نوعیت کے ہیں تو براہ کرم آپ ہمیں ارسال کرسکتے ہیں۔

مضمون باحوالہ۔کمپوزڈ۔فرقہ واریت۔تعصب۔طنزوفریب۔سے پاک ہونا چاہیے۔

کسی بھی قسم کی علمی معاونت کے لیے **"الاسلام ریئل"** کی ٹیم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔